

عقیدہ توحید اور اس کے منافی امور

شیخ علامہ صالح بن فوزان الفوزان رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا مختار احمد ندوی

نعمان بن محمد اسماعیل

طارق علی بروہی

نظر ثانی

طارق علی بروہی

انتباہ

© حقوق محفوظ اصلی اہل سنت ڈاٹ کام ۲۰۱۰

www.AsliAhleSunnet.com

اہم نوٹ

کتاب ہذا ایک آن لائن کتاب ہے جو ویب سائٹ اصلی اہل سنت ڈاٹ کام کے لئے شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ پر رکھنے کے لئے مرتب کیا گیا تاکہ اس کی باآسانی نشر و اشاعت ہو سکے۔ فی الوقت ہمارے علم کے مطابق اس سے پہلے یہ ترجمہ و ترتیب اس کی اصل عربی/انگریزی سے کہیں اور موجود نہیں۔ چونکہ اس کتاب کو مفت آن لائن تقسیم کے لئے جاری کیا جا رہا ہے لہذا اس کی ذاتی یا تبلیغی مقاصد کے لئے پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذریعہ سے محض اس کے مندرجات نشر کرنے کی اجازت مرحمت کی جاتی ہے لیکن اسے منافع کمانے کے لئے چھاپنے (پبلش) کرنے کی اجازت نہیں الا یہ کہ اصل پبلیشرز سے پیشگی اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت دے دی جائے۔



| | | |
|----------|---|---|
| نام کتاب | : | عقیدہ توحید اور اس کے منافی امور |
| مؤلف | : | شیخ صالح بن فوزان الفوزان <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> |
| مترجمین | : | مختار احمد ندوی، نعمان اسماعیل، طارق علی بروہی |
| نظر ثانی | : | طارق علی بروہی |
| صفحات | : | ۴۰۱ |
| ناشر | : | اصلی اہل سنت ڈاٹ کام |

فہرست مضامین

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ نمبر |
|-----------|---|-----------|
| | مقدمہ | ۱۵ |
| ۱ | پہلا باب: علم عقیدہ کی تحصیل کا مدخل | ۱۷ |
| ۱-۱ | فصل اول: عقیدہ ایک ایسی بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے اس تناظر میں اس کے معنی اور اہمیت کا بیان | ۱۷ |
| ۲-۱ | فصل دوم: صحیح عقیدہ کے مآخذ اور سلف صالحین کا ان سے عقیدہ اخذ کرنے کا منہج | ۲۱ |
| ۳-۱ | فصل سوم: عقیدہ کے انحرافات اور ان انحرافات سے بچنے کے طریقے | ۲۴ |
| | عقیدہ سے انحراف ہلاکت اور بربادی ہے | ۲۴ |
| | صحیح عقیدہ سے منحرف ہونے کی وجوہات | ۲۷ |
| | صحیح عقیدہ میں انحراف سے بچنے کے طریقے | ۳۳ |
| ۲ | دوسرا باب: توحید کا مطلب اور اس کی اقسام کا بیان | ۳۴ |

| | | |
|----|---|-----|
| ۳۵ | توحید ربوبیت | |
| ۳۶ | فصل اول : توحید ربوبیت کا مفہوم، اس کا فطری ہونا اور مشرکین کا بھی اس کا اقرای ہونے کا بیان | ۱-۲ |
| ۴۳ | فصل دوم : قرآن اور سنت میں لفظ "الرب" کے مفہوم اور گمراہ امتوں کے اس بارے میں تصورات اور ان کے رد کا بیان | ۲-۲ |
| ۴۳ | قرآن اور سنت کی روشنی میں لفظ "الرب" کا مفہوم | |
| ۴۷ | گمراہ امتوں کے تصورات میں لفظ "الرب" کا مفہوم | |
| ۵۳ | ان باطل تصورات کا رد | |
| ۵۶ | فصل سوم : تمام کائنات کا اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے اور تابع فرمان ہونے کا بیان | ۳-۲ |
| ۶۲ | فصل چہارم : خلق، رزق اور دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت کرنے کے قرآنی انداز کا بیان | ۴-۲ |
| ۶۳ | یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ ہر واقع ہونے والی چیز کا کوئی واقع کرنے والا ہے | |

| | | |
|----|--|-----|
| ۶۶ | کائنات کے تمام معاملات اور احکامات کا (اکیلے) انتظام فرمانا | |
| ۶۸ | مخلوقات کو اپنی خصوصیات کے ساتھ کام انجام دینے کے لیے مسخر کیا گیا ہے | |
| ۷۱ | فصل پنجم: توحید ربوبیت توحید الوہیت کو مستلزم ہے کا بیان | ۵-۲ |
| ۷۷ | توحید الوہیت | |
| ۷۸ | فصل اول: توحید الوہیت کے مطلب کے بارے میں ہے، اور یہ کہ یہی رسولوں کی دعوت کا اصل موضوع ہے | ۶-۲ |
| ۸۵ | فصل دوم: شہادتین کے بارے میں ہے: ان دونوں کا مطلب، ارکان، شرائط، تقاضے اور نواقض | ۷-۲ |
| ۸۵ | اول: شہادتین کا مطلب | |
| ۸۸ | دوم: شہادتین کے ارکان | |
| ۹۲ | سوم: شہادتین کی شرائط | |

| | | |
|-----|--|------|
| ۱۰۰ | چہارم: شہادتین کے لوازمات | |
| ۱۰۱ | پنجم: شہادتین کے نواقض (مخالف امور) | |
| ۱۰۷ | فصل سوم: شریعت سازی کے بارے میں ہے، کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کا حق ہے | ۸-۲ |
| ۱۱۲ | فصل چہارم: عبادت کے بارے میں ہے: اس کا مطلب، اقسام اور شمولیت | ۹-۲ |
| ۱۱۲ | عبادت کا معنی | |
| ۱۱۴ | عبادت کی اقسام اور ان کی شمولیت | |
| ۱۱۵ | فصل پنجم: عبادت کا تعین کرنے میں غلط تصورات کے بارے میں ہے | ۱۰-۲ |
| ۱۱۸ | فصل ششم: صحیح عبادت کی بنیادوں کے بارے میں ہے | ۱۱-۲ |
| | فصل ہفتم: عمل اور عبادت قبول ہونے کی شرائط کے بارے میں ہے | ۱۲-۲ |
| | فصل ہشتم: دین کے مراتب | ۱۳-۲ |
| ۱۲۲ | توحید اسماء و صفات | |

| | | |
|-----|--|------|
| ۱۲۲ | اولاً: اثبات اسماء وصفات کے بارے میں کتاب وسنت اور عقلی دلائل | ۱۴-۲ |
| ۱۲۲ | کتاب وسنت کے دلائل | |
| ۱۳۰ | شریعت سے ثابت شدہ اسماء وصفات کے اثبات کے لئے عقلی دلائل | |
| ۱۳۱ | ثانیاً: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں اہلسنت والجماعت کا منہج | ۱۵-۲ |
| ۱۳۳ | ثالثاً: جو لوگ تمام اسماء وصفات کا یا ان میں سے بعض کا انکار کرتے ہیں ان کا رد | ۱۶-۲ |
| ۱۴۶ | تیسرا باب: انسانی زندگی میں انحراف اور کفر والحاد اور شرک ونفاق کا تاریخی دور | ۳ |
| ۱۴۷ | فصل اول: انسانی زندگی میں انحراف | ۱-۳ |
| ۱۵۳ | فصل دوم: شرک، اور کی تعریف اور اقسام | ۲-۳ |
| ۱۵۳ | شرک کی تعریف | |
| ۱۶۰ | شرک کی اقسام | |

| | | |
|-----|--|-----|
| ۱۶۸ | فصل سوم: کفر، اس کی تعریف اور اقسام | ۳-۳ |
| ۱۶۸ | کفر کی تعریف | |
| ۱۶۹ | کفر کی اقسام | |
| ۱۷۷ | فصل چہارم: نفاق، اس کی تعریف اور اقسام | ۴-۳ |
| ۱۷۷ | نفاق کی تعریف | |
| ۱۷۹ | نفاق کے اقسام | |
| ۱۸۷ | فصل پنجم: جاہلیت، فسق، ضلالت، ارتداد ان کی حقیقت اور اقسام و احکام کا بیان | ۵-۳ |
| ۱۸۷ | جاہلیت | |
| ۱۹۰ | فسق | |
| ۱۹۳ | ضلالت (گمراہی) | |
| ۱۹۵ | ارتداد، اس کی اقسام و احکام | |
| ۲۰۰ | چوتھا باب: توحید کے منافی یا اسے ناقص کرنے والے اقوال و اعمال | ۴ |
| ۲۰۱ | فصل اول: ہتھیلی و پیالی وغیرہ پڑھ کر اور ستاروں کو دیکھ | ۱-۴ |

| | | |
|-----|---|-----|
| | کر علم غیب کا دعویٰ کرنا | |
| ۲۰۶ | فصل دوم: جادو، کاہن اور نجومی کا پیشہ | ۲-۴ |
| ۲۰۷ | جادو کی تعریف اور اس کا حکم | |
| ۲۱۰ | کاہن اور نجومی | |
| ۲۱۵ | فصل سوم: مقابر و مزارات پر نذر و نیاز اور ہدیے اور ان کی تعظیم کرنا | ۳-۴ |
| ۲۲۴ | فصل چہارم: مجسمے اور یادگار نشانیوں کی تعظیم کرنا | ۴-۴ |
| ۲۲۸ | فصل پنجم: دین کے ساتھ مذاق اور اسکے مقدسات و حرمت کی توہین | ۵-۴ |
| ۲۲۸ | دین کے ساتھ مذاق کا حکم | |
| ۲۳۱ | دین کے ساتھ مذاق کی اقسام | |
| ۲۳۳ | فصل ششم: اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا | ۶-۴ |
| ۲۵۲ | فصل ہفتم: قانون سازی اور حلال و حرام ٹھہرانے کے حق کا دعویٰ | ۷-۴ |

| | | |
|-----|---|------|
| ۲۵۹ | فصل ہشتم: ملحدانہ تحریکوں اور جاہلی جماعتوں کی طرف انتساب کا حکم | ۸-۴ |
| ۲۶۹ | فصل نہم: زندگی کے سلسلے میں مادی نقطہ نظر | ۹-۴ |
| ۲۶۹ | مادی نقطہ نگاہ اور اس کی حقیقت | |
| ۲۷۶ | زندگی سے متعلق صحیح نظریہ | |
| ۲۷۷ | فصل دہم: جھاڑ پھونک و تعویذ گنڈے | ۱۰-۴ |
| ۲۷۷ | دم، جھاڑ پھونک | |
| ۲۸۰ | تعویذ گنڈہ | |
| ۲۸۵ | فصل یازدہم: غیر اللہ کی قسم، مخلوق کا وسیلہ اور اس کی دہائی | ۱۱-۴ |
| ۲۸۵ | غیر اللہ کی قسم | |
| ۲۸۹ | اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے مخلوق کا وسیلہ | |
| ۲۹۰ | وسیلے کی اقسام | |
| ۲۹۰ | قسم اول: مشروع وسیلہ، اس کے بھی چند اقسام ہیں | |
| ۲۹۳ | قسم ثانی: غیر مشروع وسیلہ | |

| | | |
|-----|--|-----|
| ۲۹۹ | مخلوق کو پکارنے اور اس سے مدد چاہنے کا حکم | |
| ۲۹۹ | پہلی قسم: جو مخلوق کے بس میں ہے اس بارے میں استعانت واستغاثہ کرنا | |
| ۳۰۰ | دوسری قسم: جس پر صرف اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہو اور مخلوق کے بس میں نہ ہو اس بارے میں استعانت واستغاثہ کرنا | |
| ۳۰۱ | پانچواں باب: رسول (ﷺ)، اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق وجوبی اعتقاد کا بیان | ۵ |
| ۳۰۲ | فصل اول: رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم کا وجوب اور آپ کی تعریف میں افراط و تفریط سے ممانعت اور آپ کی قدر و منزلت کا بیان | ۱-۵ |
| ۳۰۲ | رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم کا وجوب | |
| ۳۰۸ | آپ ﷺ کی تعریف میں افراط و تفریط سے ممانعت | |
| ۳۱۳ | رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت کا بیان | |
| ۳۱۸ | فصل دوم: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کے | ۲-۵ |

| | وجوب کا بیان | |
|-----|---|-----|
| ۳۲۳ | فصل سوم: رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی مشروعت کا بیان | ۳-۵ |
| ۳۲۶ | فصل چہارم: اہل بیت کی فضیلت اور حق تلفی و غلو کے بغیر ان کے ساتھ سلوک کا بیان | ۴-۵ |
| ۳۳۳ | فصل پنجم: صحابہ کرام کی فضیلت ان کے بارے میں ضروری اعتقاد اور ان کے آپسی اختلافات کے سلسلے میں مذہب اہل سنت و جماعت کا موقف | ۵-۵ |
| ۳۳۳ | صحابہ سے مراد کون لوگ ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیئے؟ | |
| ۳۳۷ | افضل ترین صحابہ | |
| ۳۳۸ | صحابہ کرام کے مابین ہونے والے کشت و خون اور فتنہ و فساد سے متعلق اہل سنت و جماعت کا موقف | |
| ۳۴۹ | فصل ششم: صحابہ کرام اور ائمہ عظام کو برا بھلا کہنے کی ممانعت | ۶-۵ |
| ۳۴۹ | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے کی ممانعت | |

| | | |
|-----|--|-----|
| ۳۵۲ | ائمہ ہدایت و علمائے امت کو برا بھلا کہنے کی ممانعت | |
| ۳۵۶ | چھٹا باب: بدعتیں | ۶ |
| ۳۵۷ | فصل اول: بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام و احکام | ۱-۶ |
| ۳۵۷ | بدعت کی تعریف | |
| ۳۵۹ | بدعت کی اقسام | |
| ۳۶۱ | دین میں بدعت اور اس کے تمام اقسام کا حکم | |
| ۳۶۷ | فصل دوم: مسلم معاشروں میں بدعت کا ظہور اور اس کے اسباب | ۲-۶ |
| ۳۶۷ | مسلمانوں کی زندگی میں بدعت کا ظہور | |
| ۳۶۷ | پہلا مسئلہ: ظہور بدعت کا وقت | |
| ۳۷۰ | دوسرا مسئلہ: ظہور بدعت کی جگہ | |
| ۳۷۲ | ظہور بدعت کے اسباب | |
| ۳۷۴ | (الف) احکام دین سے ناواقفیت | |
| ۳۷۵ | (ب) خواہشاتِ نفس کی پیروی | |
| ۳۷۷ | (ج) اشخاص و آراء کا تعصب | |

| | | |
|-----|--|-----|
| ۳۷۸ | (د) کفار کی تقلید | |
| ۳۸۰ | فصل سوم: بدعتیوں کے متعلق امتِ مسلمہ کا موقف اور ان کے رد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہج | ۳-۶ |
| ۳۸۰ | بدعتیوں سے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقف | |
| ۳۸۵ | اہل بدعت کے رد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہج | |
| ۳۸۷ | فصل چہارم: آج کل کی کچھ نئی بدعتوں کے نمونے | ۴-۶ |
| ۳۸۸ | میلاد شریف کے جشن و جلوس | |
| ۳۹۳ | بعض آثار و مقامات و مردوں سے تبرک | |
| ۳۹۶ | عبادات و تقرب کے باب میں بدعتیں | |
| ۴۰۱ | بدعتیوں سے ہمارا کیا سلوک ہو؟ | |

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبیه الصادق
الأمین نبینا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد!

راقم سطور کی زیر نظر کتاب علم توحید پر ایک سنجیدہ تالیف ہے، اس میں اختصار کے ساتھ ساتھ بہت ہی آسان و عام فہم اسلوب و زبان کا خیال رکھا گیا ہے۔ تالیف کے دوران اپنے اسلاف کرام، سلفی دعوت و تحریک کے علمائے عظام، خاص طور پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم الجوزیہ، شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب وغیرہم کی کتابوں و تحریروں سے اقتباس و استفادہ کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام عقیدہ خاص طور پر توحید کا علم بہت ہی اہم اور بنیادی ہے۔ اسے سیکھنے سکھانے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی طرف بھرپور توجہ دینا ہمارا اولین فریضہ ہے۔ اس لئے کہ بندوں کے اعمال کی صحت، مقبولیت اور نفع بخش ہونے کا یہی ایک راستہ ہے۔ خاص طور پر ایسے وقت اور ماحول میں جہاں الحاد، رہبانیت، قبر پرستی اور سنت و شریعت مخالف بدعتوں کی تیز و

تند آندھیاں چل رہی ہیں۔ طرح طرح کی گمراہ کن اور خطرناک تحریکیں اور جماعتیں اپنا کام کر رہی ہیں۔

ایسے زہر آلود عہد ماحول میں اگر مسلمان کتاب و سنت پر مبنی صحیح عقیدہ کے ہتھیار سے مسلح نہ ہوں تو بہت جلد ہی انہیں یہ گمراہ کن و فاسد لہریں بہالے جائیں گی۔ ان خطرات کے پیش نظر مسلم بچوں کے لئے کتاب و سنت پر مبنی صحیح عقیدہ پھر اس کی تعلیم و تلقین کا اہتمام اور انتظام بہت ضروری ہے۔ زیر نظر کتاب اس راہ کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔

صالح بن فوزان الفوزان

پہلا باب : علم عقیدہ کی تحصیل کا مدخل

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی:

فصل اول: عقیدہ ایک ایسی بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے اس تناظر میں اس کے معنی اور اہمیت کا بیان۔

فصل دوم: صحیح عقیدہ کے مآخذ اور سلف صالحین کا ان سے عقیدہ اخذ کرنے کا منہج۔

فصل سوم: عقیدہ کے انحرافات اور ان انحرافات سے بچنے کے طریقے۔

فصل اول: عقیدہ ایک ایسی بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے اس تناظر میں اس کے معنی اور اہمیت کا بیان

عقیدے کی لغوی تعریف : عقیدہ دراصل لفظ "عقد" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو باندھنا، جیسے کہا جاتا ہے "اعتقدت کذا" (میں ایسا اعتقاد رکھتا ہوں) یعنی میں نے اسے (اس عقیدے کو) اپنے دل اور ضمیر سے باندھ لیا ہے۔

لہذا عقیدہ : اس اعتقاد کو کہا جاتا ہے جو انسان رکھتا ہے، کہا جاتا ہے :
"عقیدۃ حسنة" (اچھا عقیدہ)، یعنی: "سالمۃ من الشک" (شک سے پاک

عقیدہ) ، عقیدہ در حقیقت دل کے عمل کا نام ہے ، اور وہ ہے دل کا کسی بات پر ایمان رکھنا اور اس کی تصدیق کرنا۔

عقیدہ کی شرعی تعریف: اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھنا، اور انہیں ارکانِ ایمان بھی کہا جاتا ہے۔

شریعت دو اقسام میں تقسیم ہوتی ہے: عقائد اور اعمال

عقائد: عقائد ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق کیفیتِ عمل سے نہیں ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی عبادت کے وجوب کا اعتقاد رکھنا، اسی طرح تمام مذکورہ ارکانِ ایمان کا اعتقاد رکھنا، اور یہ "اصل" (بنیاد/جڑیں) بھی کہلاتے ہیں۔

اعمال: اعمال کا تعلق کیفیتِ عمل سے ہے، مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ اور دیگر عملی احکامات، یہ "فروع" (شاخیں) بھی کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ (فروع/شاخیں) ان عقائد (اصل/جڑوں) کی صحت یا فساد پر قائم ہوتے ہیں^(۱)۔

لہذا صحیح عقیدہ ہی وہ بنیاد ہے جس پر دین قائم ہوتا ہے، اور اس کی درستگی پر ہی اعمال کی صحت کا دار و مدار ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۱۱۰)

(جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے
اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۵)

(یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی
وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور
بالتیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ * أَلِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾

(الزمر: ۲-۳)

(پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے
، خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے)

یہ اور اس مفہوم کی دیگر آیاتِ کریمہ جو کہ بہت زیادہ ہیں، اس بات پر
دالالت کرتی ہیں کہ اعمال اسی وقت مقبول ہوں گے جب وہ شرک سے پاک
ہوں، اسی لیے تمام رسولوں ﷺ کی اولین ترجیح عقیدے کی اصلاح رہی۔ پس
سب سے پہلے وہ اپنی قوموں کو اس بات کی دعوت دیتے رہے کہ صرف اکیلے اللہ
کی عبادت جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی کی عبادت ترک کی جائے، جیسا کہ
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

الطَّاغُوتَ﴾ (النحل: ۳۶)

(ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور
اس کے سوا تمام معبودوں (کی عبادت) سے بچو)

اور ہر رسول جب بھی اپنی قوم سے مخاطب ہوئے تو فرمایا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ﴾ (الاعراف: ۵۹)

(اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں)

یہی بات نوح، ہود، صالح، شعیب، اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں سے فرمائی۔

بعثت کے بعد نبی اکرم (ﷺ) مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک لوگوں کو توحید اور عقیدے کی اصلاح کی دعوت دیتے رہے، اس لیے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ (حقیقی) داعیان اور مصلحین نے ہر زمانے میں انبیاء کرام (ﷺ) کے اسی نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ وہ توحید اور عقیدے کی اصلاح کی دعوت سے اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں، اس کے بعد دین کے دیگر احکامات کی پیروی کا حکم دیتے ہیں۔

فصل دوم: صحیح عقیدہ کے مآخذ اور سلف صالحین کا ان سے عقیدہ اخذ کرنے کا منہج

عقیدہ توفیقی ہوتا ہے یعنی یہ شارع (شریعت نازل کرنے والے) کی دلیل سے ہی ثابت ہو سکتا ہے، جس میں اپنی رائے اور اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

لہذا عقیدہ کے مآخذ و مصادر صرف کتاب اور سنت سے ثابت شدہ دلائل پر موقوف ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی علم نہیں رکھتا کہ کیا بات اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور کیا نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کے بارے میں اللہ کے رسول (ﷺ) سے زیادہ کوئی علم نہیں رکھتا۔ چنانچہ سلف صالحین اور ان کی پیروی کرنے والوں کا عقیدہ اپنانے کے بارے میں یہی منہج رہا ہے کہ وہ اس بارے میں محض قرآن اور سنت پر ہی اقتضار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو بات قرآن اور سنت سے ثابت ہوتی ہے وہ اس پر ایمان لاتے، اس کا اعتقاد رکھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے، اور جو بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی سنت سے ثابت نہیں ہوتی اس کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرتے اور قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان عقیدے کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا، بلکہ ان سب کا عقیدہ ایک تھا اور ان سب کی جماعت بھی ایک ہی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی (ﷺ) کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھیں گے ان کا کلمہ مجتمع رہے گا، اعتقاد درست ہوگا اور منہج میں یگانگت ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

(اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا فَلَا يَقْضُوا شَيْئًا وَلَا يَتَّبِعُوا هُدًى فَمَنْ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾

(طہ: ۱۲۳)

(اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری

ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا)

اسی لیے اس فرقہ کو فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا فرقہ) کہا گیا، کیونکہ نبی (ﷺ) نے جب یہ فرمایا کہ یہ امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی تو اس فرقہ کی نجات کی گواہی دی اور فرمایا کہ تمام فرقہ آگ میں ہوں گے سوائے ایک کے، جب پوچھا گیا کہ نجات پانے والا وہ ایک فرقہ کون سا ہے، فرمایا: ”ہی من کان علی مثل ما انا علیہ الیوم واصحابی“^(۱) (وہ جو اس طریقہ پر ہوگا جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں)

^۱ الترمذی الایمان (۲۶۳۱) حدیث کی روایت امام احمد نے کی ہے۔

اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ نبی (ﷺ) نے فرمایا، لہذا جب بعض لوگوں نے اپنا عقیدہ کتاب اور سنت کے مخالف طریقوں پر قائم کیا، مثلاً علم الکلام، یونانی فلسفہ اور علم المنطق، تو عقیدہ میں انحراف اور تفرقہ پیدا ہوا اور اس کے نتیجہ میں یکجہتی ختم ہو گئی، اور اسلامی معاشرہ کی عمارت میں دراڑ پڑ گئی۔

فصل سوم: عقیدہ سے انحراف اور اس سے بچنے کے طریقے

عقیدہ سے انحراف ہلاکت اور بربادی ہے:

صحیح عقیدہ سے انحراف ہلاکت اور بربادی ہے، اس لیے کہ صحیح عقیدہ ہی اچھے اور مفید اعمال کی ترغیب دلاتا ہے۔ کوئی بھی شخص صحیح عقیدہ کے بغیر توہمات اور شکوک و شبہات کا شکار ہوتا ہے، جو اس پر جمع ہونے کی صورت میں اس کی خوشحال زندگی کی راہوں میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی زندگی اس پر تنگ ہو جاتی ہے، پھر وہ اس تنگی جو کہ اس کی ساری زندگی سے تعبیر ہے سے چھٹکارہ پانے کی کوشش کرتا ہے خواہ خود کشی کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ یہی حال ہے بہت سے ان لوگوں کا جو صحیح عقیدہ کی ہدایت سے محروم ہیں۔

اور وہ معاشرہ جس میں صحیح عقیدہ نہ ہو ایک حیوانی معاشرہ ہے جس نے خوشحال زندگی کے تمام اسباب کو ترک کر دیا ہے، اگرچہ اس کے پاس اس مادی دنیا کے بہت سے اسباب ہوں جو کہ غالباً ہلاکت اور بربادی ہی کی طرف لے جاتے ہیں، جیسا کہ کافر معاشروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان مادی اسباب کو رہنمائی کی ضرورت ہے تاکہ اس کی خصوصیات اور منفعت سے استفادہ حاصل کیا جاسکے، اور اس کی رہنمائی صحیح عقیدہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں کر سکتی، ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾

(اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) (المومنون: ۵۱)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَالنَّعْلَةَ الْحَدِيدَ،
أَنْ اْعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ، وَلِسْلَيْمَانَ الرِّيحَ عُذُّهَا شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ
الْقُطْرِ وَمَنْ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ
أَمْرِنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ، يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ

وَتَمَثَّلِ وَجْهَانِ كَالْجَوَابِ وَقُدُوسٍ رَّاسِيَاتٍ اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا
وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿۱۰-۱۳﴾ (السباء: ۱۰-۱۳)

(اور ہم نے داود علیہ السلام پر اپنا فضل کیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم ہے) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا* کہ تو پوری پوری زرہیں بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ، تم سب نیک کام کیا کرو، (یقین مانو) کہ میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں* اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی، اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا، اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے* جو کچھ سلیمان علیہ السلام چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں، اے آل داود اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو، میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں)

لہذا عقیدہ کی طاقت کو مادی طاقت سے جدا نہیں ہونا چاہیے، اگر جدا ہو کر باطل عقائد کی طرف منحرف ہو گئی تو پھر مادی قوت ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بن

جاتی ہے، جیسا کہ آج کے دور میں کافر ممالک میں دیکھا جاتا ہے، جن کے پاس مادی قوت تو ہے لیکن صحیح عقیدہ کا فقدان ہے۔
صحیح عقیدہ سے منحرف ہونے کی وجوہات:

صحیح عقیدہ سے منحرف ہونے کی کچھ وجوہات ہیں جن کی معرفت حاصل کرنا انتہائی اہم ہے، بعض اہم وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ صحیح عقیدہ سے جہالت: صحیح عقیدہ سے جہالت جس کی وجہ اس کی تعلیم حاصل نہ کرنا ہے، یا پھر اس سے بے توجہی برتنا ہے، یہاں تک کہ ایک ایسی نسل پروان چڑھ جاتی ہے جو اس عقیدہ سے بے بہرہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے مخالف اور منافی امور کا اسے کوئی علم ہوتا ہے۔ لہذا وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتی ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّمَا تُنْقِضُ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً إِذَا نَشَأَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْ لَا يَعْرِفُ الْجَاهِلِيَّةَ“ (اسلام کی رسی کے پھندے ایک ایک کر کے کھل جائیں گے اگر اسلام میں ایسے لوگ آجائیں جنہیں جاہلیت کا کوئی علم نہیں)

۲۔ تعصب اور آباء و اجداد پرستی: تعصب اور آباء و اجداد پرستی اور انہی کی راہ پر جمے رہنا چاہے وہ باطل ہی کیوں نہ ہو اور جو کچھ بھی اس کے مخالف ہو اسے ترک کر دینا اگرچہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَنْتَبِعُ مَا الْقَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ

كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ (البقرة: ۱۷۰)

(اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم راہ ہوں)

۳- اندھی تقلید کرنا: اندھی تقلید کرنا اس طرح کہ عقیدے کی معاملے میں لوگوں کی باتوں کو بنا اس کی دلیل کی معرفت یا اس دلیل کی صحت معلوم کئے لے لینا، جیسا کہ (اہلسنت والجماعت کے) مخالف فرقوں کا حال ہے، مثلاً جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور صوفیہ وغیرہ، ان سب نے اپنے سے پچھلے گمراہ سربراہوں کی پیروی کی، تو وہ گمراہ ہوئے اور صحیح عقیدہ سے منحرف ہو گئے۔

۴- اولیاء اور نیک لوگوں کے بارے میں غلو کرنا: اولیاء اور نیک لوگوں کے بارے میں غلو کرنا، اور ان کو ان کی حیثیت سے زیادہ اونچا مقام دینا، اس طرح کہ ان کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنا جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے جیسے نفع پہنچانا یا مصیبت دور کرنا، اسی طرح ان اولیاء کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان حاجتیں پوری کروانے اور دعاء قبول کروانے کے لئے وسیلہ بنانا، یہاں تک کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان اولیاء کی عبادت تک جا پہنچنا، جیسے ان کے مزارات

پر منتیں ماننا اور قربانیاں دینا، ان سے دعاء و فریاد کرنا اور مدد طلب کرنا۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے نیک لوگوں کے بارے میں ایسا ہی کیا تھا جب انہوں نے کہا:

﴿لَا تَذَمُّنَّ أَهْلَكُمْ وَلَا تَذَمُّنَّ وَدًّا وَلَا سَوَاعَا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

(نوح: ۲۳)

(اور کہا انہوں نے کہ ہر گز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ دد اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا))

اور ایسا ہی حال ہے آج بہت سے ممالک میں قبر پرستوں کا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی (کائناتی) اور قرآنی آیات میں غور و تدبر سے غافل رہنا: اللہ تعالیٰ کی کوئی (کائناتی) اور قرآنی آیات میں غور و تدبر سے غافل رہنا، اور مادی تہذیب و تمدن سے شدید متاثر ہونا، یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سب کچھ صرف انسانی قدرت کا نتیجہ ہے، لہذا انسانوں کی تعظیم ہونے لگی، اور تمام وسائل کو انسان کی محنت اور اس کی ایجادات کی طرف منسوب کیا جانے لگا، جیسا کہ قارون نے ان سے پہلے کہا تھا:

﴿قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ (القصص: ۷۸)

(کہا یہ سب کچھ جو میرے پاس علم و لیاقت ہے اسی کے بل بوتے پر دیا گیا ہوں)

اور جیسا کہ انسان کہتا ہے:

﴿هَذَا لِي﴾ (الفصلت: ۵۰)

(یہ میرا ہے یا یہ میری ہی کمائی ہے)

﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ (الزمر: ۴۹)

(یہ میرے اپنے علم کی بناء پر ہی دیا گیا ہے)

اور انہوں نے اس کی عظمت پر غور و فکر ہی نہیں کیا جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا، اور اس میں یہ شاندار اور عمدہ خاصیتیں رکھیں، انسانوں کو پیدا کیا اور انہیں یہ طاقت دی کہ وہ ان خاصیتوں کو دریافت کر سکیں اور ان سے استفادہ حاصل کر سکیں:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصافات: ۹۶)

(حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے یا اللہ تعالیٰ ہی تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے)

﴿أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الاعراف: ۱۸۵)

(اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں)

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)

(اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں، اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں * اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے * اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے، اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکر ہے)

۶۔ اکثر گھرانے (اپنی نسلوں کی) صحیح رہنمائی سے دور ہو چکے ہیں: اکثر گھرانے (اپنی نسلوں کی) صحیح رہنمائی سے دور ہو چکے ہیں، جیسا کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا ہے: ”کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه“^(۱) (ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں) [اس حدیث کی روایت امام بخاری اور مسلم نے کی ہے]

ثابت ہوا کہ والدین کا انتہائی اہم کردار ہے بچے کے لئے صحیح سمت کا تعین اور صحیح رہنمائی کرنے میں۔

۷۔ مسلم دنیا میں عموماً میڈیا اور تعلیمی مراکز کا اپنا کردار صحیح طور سے نانا انجام دینا: مسلم دنیا میں عموماً میڈیا اور تعلیمی مراکز کا اپنا کردار صحیح طور سے نانا انجام دینا، تعلیمی نصاب میں دین کی طرف کوئی خاص توجہ محسوس نہیں ہوتی، یا پھر بالکل ہی توجہ نہیں ہوتی۔ سمعی، بصری اور تحریری میڈیا، الغرض ہر قسم کا میڈیا محض بربادی اور ہلاکت اور انحراف کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے، جہاں محض مادی اور تفریحی چیزوں کا اہتمام ہوتا ہے، مگر وہ چیزیں جو اخلاق کو درست کریں اور صحیح

^(۱) البخاری الجنائز (۱۲۹۲)، مسلم القدر (۲۶۵۸، ۲۶۵۹)، أبو داود السنة (۴۷۱۴)، أحمد (۲۳۳/۲، ۴۸۱/۲)، مالک الجنائز (۵۶۹)۔

عقیدہ کو راسخ کریں اس کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، یہاں تک کہ ایسی نسل آئی جس میں کفر اور الحاد کی فوج کا مقابلہ کرنے کی بالکل صلاحیت نہ رہی۔

صحیح عقیدہ میں انحراف سے بچنے کے طریقے:

اس انحراف سے بچنے کے طریقے درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ (ﷺ) کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے:

اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ (ﷺ) کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ صحیح عقیدہ حاصل کیا جاسکے، جیسا کہ سلف صالحین اپنا عقیدہ انہی دو مآخذ سے اخذ کیا کرتے تھے، اور ”لن یصلح آخر هذه الأمة إلا ما أصلح أولها“ (اس امت کے پچھلے لوگوں کی اصلاح نہیں ہوگی مگر اسی سے جس سے اس امت کے اگلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی)، اس کے ساتھ ساتھ منحرف فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ان کے شبہات کا رد کیا جاسکے اور لوگوں کو اس سے خبردار کیا جاسکے، اس لیے کہ جو برائی کو جانتا ہی نہیں قریب ہے کہ وہ اس برائی میں واقع ہو جائے۔

۲۔ مختلف تعلیمی مرحلوں میں صحیح اسلامی عقیدہ یعنی سلف صالحین کے عقیدے کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے، اور نصاب (سلیبس) میں اس کی مناسب کلاس

اور پیریڈز رکھے جائیں، اور امتحانات کے دوران اس مضمون کا پرچہ انتہائی باریک بینی کے ساتھ بنایا جائے۔

۳۔ نصاب میں خالص سلفی منہج کی کتابیں مقرر کی جائیں، اور منحرف فرقوں کی کتابوں سے اجتناب کیا جائے، مثلاً صوفیہ، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور دیگر تمام اہل بدعت، ہاں مگر صرف اس غرض سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تاکہ اس میں جو باطل ہے اس کا رد کیا جاسکے اور اس سے خبردار کیا جاسکے۔

۴۔ ایسے مصلحین داعیان کو کھڑا کیا جائے جو لوگوں میں سلف صالحین کے عقیدے کی تجدید کریں اور منحرف فرقوں کی گمراہی کا رد کریں۔

دوسرا باب

توحید کا مطلب اور اس کی اقسام کا بیان

توحید کا مطلب: خلق اور تدبیر میں اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے، عبادت کو اسی کے لیے خالص کیا جائے، اور اس کے سوا ہر کسی کی عبادت سے اجتناب کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے جو اسماءِ حسنیٰ اور اعلیٰ صفات ہیں ان کا اثبات کیا جائے، اور ہر نقص اور

عیب سے اللہ تعالیٰ کو پاک قرار دیا جائے، گویا اس تعریف کے اعتبار سے توحید کی تین اقسام اس میں شامل ہو گئیں، جن کا (تفصیلی) بیان درج ذیل ہے:

۱ - توحید ربوبیت

اور وہ درج ذیل فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول : توحید ربوبیت کا مفہوم، اس کا فطری ہونا اور مشرکین کا بھی اس کا اقرای ہونے کا بیان۔

فصل دوم: قرآن اور سنت میں لفظ "الرب" کے مفہوم اور گمراہ امتوں کے اس بارے میں تصورات اور ان کے رد کا بیان۔

فصل سوم: تمام کائنات کا اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے اور تابع فرمان ہونے کا بیان۔

فصل چہارم: خلق، رزق اور دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت کرنے کے قرآنی انداز کا بیان۔

فصل پنجم: توحید ربوبیت توحید الوہیت کو مستلزم ہے کا بیان۔

فصل اول: توحید ربوبیت کے مفہوم، اس کا فطری ہونا اور مشرکین کا بھی اس کا قرائی ہونے کا بیان

توحید : عام مفہوم کے اعتبار سے یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے رب ہیں، عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنی اور اعلیٰ صفات کا اثبات و اقرار کرنا توحید کہلاتا ہے، پس یہ تین اقسام کی ہوئی:

۱- توحید ربوبیت، ۲- توحید الوہیت، ۳- توحید اسماء و صفات، اور ہر قسم کا ایک خاص مفہوم ہے جسے بیان کرنا نہایت اہم ہے تاکہ ان تینوں اقسام میں جو فرق ہے وہ واضح ہو جائے:

۱ - توحید ربوبیت:

اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال کے ساتھ مخصوص کر دینا یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہی تمام مخلوقات کے خالق ہیں:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الزمر: ۶۲)

(اللہ ہر چیز کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے)

اور وہ تمام جانوروں، انسانوں اور دیگر مخلوقات کو رزق دیتا ہیں :

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ مَرْذُقُهَا﴾ (ہود: ۶)

(زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں)

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں، اور اس جہاں کے تمام معاملات کا انتظام سنبھالا ہوا ہے، جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اور جسے چاہے محروم رکھتا ہے، جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت سے ہمکنار کرتا ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، رات اور دن کو چلاتا ہے، زندگی اور موت دیتا ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَتُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرِزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (آل عمران: ۲۶-۲۷)

(آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت

دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے * تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے، اور تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سے اس بات کی نفی کی ہے کہ مملکت میں اس کا کوئی شریک یا مددگار ہو جس طرح اس نے اس بات کی نفی کی کہ خلق (پیدا کرنے) اور رزق (دینے) میں اس کا کوئی شریک ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ (لقمان: ۱۱)

(یہ ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمَنْ هَذَا الَّذِي يَزْعُمُكُمْ إِنَّ أُمْسَكَ رِزْقَهُ﴾ (الملک: ۲۱)

(اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمہیں روزی دے گا؟)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اپنی ربوبیت کی انفرادیت کا اعلان فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الفاتحہ)

(سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے)

اور فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ

الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ۵۴)

(بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے، پھر عرش پر مستوی و بلند ہوا، وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کا رب ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار تمام مخلوقات کی فطرت میں رکھ دیا ہے، یہاں تک کہ وہ مشرکین جو عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے

تھے وہ بھی ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کی انفرادیت کا اقرار کرتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ﴾ (المؤمنون: ۸۶-۸۹)

(آپ ﷺ) ان مشرکوں سے دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ * وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ * دریافت کیجئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ * یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟ *

اس توحید کے خلاف بنی نوع انسانی کا کوئی بھی فرقہ نہیں گیا، بلکہ دلوں میں اس کا اقرار فطرتاً دوسری موجودات کے اقرار کی بنسبت زیادہ جاگزیں ہے، جیسا کہ رسولوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿قَالَتْ مُرْسِلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

(ابراہیم: ۱۰)

(ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے جو
آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے!)

سب سے زیادہ مشہور شخص جس نے رب سے تجاہل برتا اور ظاہراً انکار کیا
وہ فرعون ہے، جبکہ باطن میں اسے یقین تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے
فرمایا:

﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

بَصَائِرُ﴾ (الاسراء: ۱۰۲)

(موسیٰ علیہ السلام نے (فرعون کو) جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان و
زمین کے رب ہی نے یہ معجزے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں)
فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ (النمل: ۱۴)

(انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے
تھے)

ایسا ہی حال آج ان کمیونسٹ (دھریہ) لوگوں کا ہے جو رب کا انکار کرتے ہیں، وہ صرف تکبر کی بنا پر ظاہری اعتبار سے انکار کر رہے ہیں، حالانکہ باطن میں وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہر موجود کا لازماً کوئی موجد (بنانے والا) ضرور ہے، ہر مخلوق کا لازماً کوئی خالق ہے اور ہر اثر کا لازماً کوئی پیدا کرنا والا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُؤْقِنُونَ﴾ (الطور: ۳۵-۳۶)

(کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟* کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں)

تمام عالم پر غور کیجئے، عالم بالا اور سفلی، اس کے تمام اجزاء میں، آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے بنانے والے کی، اپنے خالق و مالک کی گواہی دے رہے ہیں۔ لہذا بنانے والے کا انکار کرنا عقل اور فطرت میں بالکل ایسا ہے جیسا کہ علم کا انکار کرنا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، آج کمیونزم رب کا جو انکار کر رہی ہے^(۱)، وہ

^۱ کیونکہ علم صحیح خالق کا اثبات کرتا ہے۔

در حقیقت تکبر کی وجہ سے ہے، عقل اور صحیح اندازِ فکر کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہے، اور جس کا حال ایسا ہو تو اس نے در حقیقت عقل کا استعمال ختم کر دیا ہے اور لوگوں کو اپنا مذاق اڑانے کی دعوت دی ہے۔

شاعر نے کہا:

کیف یعصی الإله ویجده الجاحد

و فی کل شیء له آية تدل علی أنه واحد

کیسے الہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور کیسے انکار کرنے والا انکار کرتا ہے
جبکہ ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو نشانہ ہی کر رہی ہے کہ وہ ایک ہے

فصل دوم: قرآن اور سنت میں لفظ "الرب" کے مفہوم اور گمراہ

امتوں کے اس بارے میں تصورات اور ان کے رد کا بیان

۱۔ قرآن اور سنت کی روشنی میں لفظ "الرب" کا مفہوم:

الرَّبُّ در اصل: مصدر رَبَّ يَرْبُی سے لیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے:

"نَسَأَ الشَّيْءَ مِنْ حَالٍ إِلَى حَالٍ التَّمَامَ" (کسی چیز کو ایک حالت سے بہتر حالت

تک لیکر جانا) کہا جاتا ہے: "رَبِّهِ وَرَبَّاهُ وَرَبِّبَهُ" (اس کا پالنے والا/ نشوونما کرنے والا، اس نے پالا، اسے پالا) لہذا لفظ (الرب) مصدر ہے جو فاعل کے لیے استعمال ہوتا ہے، لہذا مطلقاً لفظ (الرب) اللہ تعالیٰ کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے جو تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الفاتحہ)

(تمام جہانوں کا پالنے والا)

﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الشعراء: ۲۶)

(تمہارا اور تمہارے اگلے آباء و اجداد کا رب ہے)

یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے صرف بطور مضاف محدود انداز میں استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے "رب الدار" (گھر کا رب) یعنی مالکِ مکان، اور "رب الفرس" یعنی (گھوڑے کا مالک)، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِذْ كُنَّا فِي بَيْتٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ﴾ (یوسف: ۴۲)

(اپنے رب (بادشاہ) سے میرا ذکر بھی کر دینا، پھر اسے شیطان نے اپنے رب (بادشاہ) سے ذکر کرنا بھلا دیا)

اور فرمایا:

﴿قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ (یوسف: ۵۰)

(اپنے رب (بادشاہ) کے پاس واپس جا)

﴿أَمَّا أَحَدُكُمْ فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا﴾ (یوسف: ۴۱)

(تم دونوں میں سے ایک تو اپنے رب (بادشاہ) کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا)

اور نبی اکرم (ﷺ) نے جس کا اونٹ گم ہو گیا ہو اس کے بارے میں فرمایا کہ: ”حتیٰ یجدھا ربھا“^(۱) (یہاں تک کہ اس کا رب (مالک) اسے ڈھونڈ نہ لے)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لفظ ”الرب“ کا اطلاق اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر بطور اسم معرفہ اور اضافت دونوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: ”الرب“ یا

^۱ متفق علیہ حدیث سے ماخوذ صحیح البخاری کتاب فی اللقطة (۲۲۹۲)، صحیح مسلم کتاب اللقطة (۱۷۲۲)

"رب العالمین" اور "رب الناس" لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا لفظ "الرب" صرف اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، مثلاً: رب الدار یا رب المنزل (مالک مکان)، رب الابل (اونٹ کا مالک)۔

(رب العالمین) کا مطلب ہے: (ان تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا اور ان کا مالک، اپنی نعمتوں کے ذریعہ اسی طرح رسول بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے ان کی تربیت کرنے والا، ان کے احوال کی اصلاح کرنے والا اور ان کے اعمال کی جزاء دینے والا) ^(۱)۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی زبانی رب العالمین کی بڑی عمدہ تعریف بیان کی ہے جس میں ان تمام باتوں کا ذکر ہے، فرمایا: (قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ، أَشْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ، فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ، الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ، وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ، وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ، وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ) (الشعراء: ۷۵-۸۲) (آپ نے اپنی مشرک قوم سے) فرمایا کچھ خبر بھی ہے جن کی تم عبادت کر رہے ہو، تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے، جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور مہی میری رببری فرماتا ہے، وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفاء عطا فرماتا ہے، اور وہی مجھے موت دے گا پھر زندہ کر دے گا، اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزاء میرے گناہوں کو بخش دے گا) (مترجم ط ع)

”فَإِنَّ الرُّبُوبِيَّةَ تَقْتَضِي أَمْرَ الْعِبَادِ وَنَهْيَهُمْ، وَجَزَاءَ مُحْسِنِهِمْ بِإِحْسَانِهِ، وَمُسِيئِهِمْ بِإِسَاءَتِهِ“^(۱) (ربوبیت کا تقاضا ہے کہ بندوں کو حکم دیا جائے اور منع کیا جائے، نیکو کاروں کو نیکی کا بدلہ دیا جائے، اور بدکاروں کو بدکاری کی سزا دی جائے) یہ ہے حقیقتِ ربوبیت۔

۲ - گمراہ امتوں کے تصورات میں لفظ "الرب" کا مفہوم :

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ان کی فطرت میں توحید اور پیدا کرنے والے رب کی معرفت و دیعت فرمائی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ (الروم: ۳۰)

(پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں، اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا نہیں)

اور فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى
أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا﴾ (الاعراف: ۱۷۲)

(اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے
ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا
کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں)

لہذا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار اور اس کی طرف متوجہ ہونا ایک فطری
معاملہ ہے، جبکہ شرک غیر فطری اور بعد میں رونما ہونے والی چیز ہے، اسی لیے نبی
کریم (ﷺ) نے فرمایا: ”محل مولود یولد علی الفطرة فأبواہ یهودانہ أو
ینصرانہ أو یمجسانہ“ (ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے
یہودی، عیسائی، یا مجوسی بنادیتے ہیں)^(۱) اگر بندے کو اس کی فطرت پر چھوڑ دیا
جائے تو وہ لازماً توحید کی طرف جائے گا اور رسولوں کی وہ دعوت قبول کرے گا جو
رسول لیکر آئے، اور جس کے متعلق کتابیں نازل کی گئیں، اور جس پر آیاتِ کونیہ
(کائنات میں پھیلی نشانیاں) بھی دلالت کرتی ہیں، لیکن (صحیح راہ سے) منحرف

^۱ اس حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

تربیت اور لحد (بے دین) معاشرہ بچے کی سمت کو تبدیل کر دیتے ہیں، اور بچے اپنے آباء و اجداد کی گمراہی اور انحراف میں پیروی کرتے ہیں۔

حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”خلقت عبادی حنفاء، فاجتالہم الشیاطین“^(۱) (احمد و مسلم) (میں نے اپنے بندوں کو حنفاء (سچا، یکسو اور صحیح العقیدہ) پیدا کیا ہے، پھر شیاطین نے ان پر حملہ کر کے انہیں گھیر لیا) یعنی: انہیں بتوں کی عبادت کی طرف راغب کر دیا، اور اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے ان بتوں کو رب تسلیم کر لیا، تو پھر وہ گمراہی تفرقہ اور اختلاف میں پڑ گئے، ہر ایک نے اپنا ایک مخصوص رب بنا ڈالا جس کی وہ عبادت کرتا ہے، کیونکہ جب انہوں نے حقیقی رب کو چھوڑ دیا تو وہ باطل ارباب میں مبتلا کر دیے گئے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾ (یونس: ۳۲)

(سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ہے،

پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے)

^۱ مسلم الجنة وصفة نعيمها وأهلها (۲۸۶۵)، أحمد (۱۶۲/۴).

اور گمراہی کی درحقیقت کوئی حد یا انتہا نہیں ہوتی، اور اس میں لازماً ہر وہ شخص واقع ہوتا ہے جس نے اپنے رب حقیقی کو چھوڑ دیا ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِمَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾
(یوسف: ۳۹)

(کیا متفرق کئی رب بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقتور* اس کے سوا تم جن کی عبادت کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی)

ربوبیت میں شرک اس اعتبار سے کہ دو بالکل ایک جیسے خالق جو تمام صفات اور افعال میں ایک جیسے ہوں تو ناممکن ہے، لیکن ہاں بعض مشرکین کا یہ کہنا تھا کہ ان کے معبودوں کو جہان میں کچھ تصرف حاصل ہے، اور شیطان نے انہیں دھوکہ میں ڈال کر ان باطل معبودوں کی عبادت پر گامزن کر دیا۔ درحقیقت شیطان ہر قوم کو اس کی عقل کے مطابق دھوکہ دیتا ہے، ایک گروہ کو اس اعتبار سے عبادت کی دعوت دیتا ہے کہ وہ مردوں کی تعظیم کریں جن کے وہ مجسمے بناتے ہیں، جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے کیا، اور ایک گروہ نے

بتوں کو ستاروں کی شکل میں لے لیا اور ان کے دعویٰ کے مطابق ان ستاروں کا جہان پر اثر ہوتا ہے^(۱)، پھر انہوں نے ان ستاروں کے لئے معبد خانے اور مجاور مقرر کر دیئے۔

البتہ ان ستاروں کی عبادت میں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا: لہذا بعض نے سورج کی عبادت کی، بعض نے چاند کی، اور بعض نے ان کے علاوہ باقی ستاروں کی، یہاں تک کہ انہوں نے ان ستاروں کے لئے ہیکل مقرر کر دیئے، ہر ستارے کے لئے ایک خاص ہیکل تھا۔ بعض آتش پرست تھے جو مجوس کہلاتے ہیں۔ بعض گائے کی عبادت کرتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں ہوتا ہے۔ بعض فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ بعض درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے ہیں اور بعض قبروں اور مزارات کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ ان لوگوں نے ان چیزوں میں ربوبیت کی کچھ خاصیتیں تصور کر لیں ہیں۔

بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ بت غیر حاضر چیزوں کے قائم مقام ہیں، ابن القیم نے فرمایا: (ابتداء میں بت کو غیر حاضر معبود کی جگہ رکھا گیا تھا، لہذا

^۱ آج بھی بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے باوجود ستاروں کی جہان میں تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کا مشاہدہ رسائل و جرائد میں "آپ کا ہفتہ کیسا رہے گا" اور "آپ کا ستارہ فلاں ہے" وغیرہ پڑھ کر لگایا جاسکتا ہے۔ (مترجم ط

انہوں نے بت کو اس کی شکل و صورت اور ہیئت کے مطابق بنایا تاکہ وہ اس کا قائم مقام ہو جائے، اس لیے کہ کوئی بھی عقل رکھنے والا اپنے ہاتھ سے کسی لکڑی یا پتھر کو تراش کر اسے اپنا الہ اور معبود تصور نہیں کر سکتا... ^(۱)

جیسا کہ قدیم و موجودہ قبر پرست یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مردہ لوگ ان کے لیے شفاعت کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے سفارش کریں گے، اور کہا کرتے ہیں:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ۳)

(ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں)

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس: ۱۸)

(اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں)

اس کے علاوہ بعض مشرکین عرب اور نصاریٰ نے اپنے معبودوں کے بارے میں یہ تصور قائم کر رکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں، لہذا مشرکین عرب نے فرشتوں کی عبادت یہ سمجھ کر کی کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کی عبادت یہ سمجھ کر کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

۳ - ان باطل تصورات کا رد:

اللہ تعالیٰ نے ان تمام باطل تصورات کا مندرجہ ذیل دلائل سے رد فرمایا ہے:

۱۔ بت پرستوں کا رد اس فرمان سے:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾ (النجم: ۱۹-۲۰)

(کیا تم نے لات اور عزی کو دیکھا * اور ان کے علاوہ تیسرے منات کو)

آیت کا مطلب جیسا کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: (کیا تم نے ان معبودات کو دیکھا! کیا یہ کسی قسم کا فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے شریک

ہوں؟ کیا انہوں نے اپنا دفاع کیا جب رسول اللہ (ﷺ) اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو توڑ دیا اور منہدم کر دیا؟

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ قَالُوا نَعْبُدُ
أَصْنَامًا فَنُظِلُّ لَهَا عَافِيَيْنَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ
يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يُضُرُّونَ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾

(الشعراء: ۶۹-۷۴)

(انہیں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی سنا دو * جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ * انہوں نے جواب دیا کہ عبادت کرتے ہیں بتوں کی، ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں * آپ نے فرمایا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ * یا تمہیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟ * انہوں نے کہا یہ (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا)

گویا انہوں نے اس بات کا اقرار اور اعتراف کر لیا کہ یہ بت نہ تو پکار سن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، بلکہ انہوں نے ان بتوں کی

عبادت محض اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں کی، جس سے واضح ہو گیا کہ تقلید اور اندہی بیروی باطل حجت ہے۔

ب۔ ستارے، سورج اور چاند کی عبادت کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِ رَبِّ﴾ (الاعراف: ۵۴)

(اور (اللہ تعالیٰ نے) سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں)

اور فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُ وَاللشَّمْسُ وَلَا

لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾

(الفصلت: ۳۷)

(اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو)

ج۔ جنہوں نے فرشتوں کی اور مسیح علیہ السلام کی عبادت اس اعتبار سے کی کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ﴾ (المؤمنون: ۹۱)

(نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا)

اور فرمایا:

﴿أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً﴾ (الانعام: ۱۰۱)

(اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی کوئی بیوی تو ہے نہیں)

اور فرمایا:

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص: ۳)

(نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا* اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

فصل سوم: تمام کائنات اور اس کی فطرت کا اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان اور

مطیع ہونے کا بیان

یہ تمام جہاں آسمان، زمین، ستارے، سیارے، جانور، درخت، بروہجر، فرشتے، جن اور انس سب کے سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں اور اس کے امر کوئی کی اطاعت کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا﴾

(آل عمران: ۸۳)

(تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں

خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَه قَانِتُونَ﴾ (البقرة: ۱۱۶)

(بلکہ وہ (اللہ تعالیٰ) پاک ہے، آسمان اور زمین کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے

اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے)

﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (النحل: ۴۹)

(یقیناً آسمان وزمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے)

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ﴾
(الحج: ۱۸)

(کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی)

﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْعُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ (الرعد: ۱۵)

(اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام)

لہذا یہ تمام کائنات اور جہان اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرتے ہیں، اس کی سلطنت کے تابع ہیں، اس کے ارادہ کے مطابق چلتے ہیں اور اس کے حکم کے آگے

مطیع ہیں، کوئی اس کی نافرمانی نہیں کرتا، ہر چیز اپنا کام انجام دے رہی ہے، اور اپنے عمل کے نتائج بھی محکم نظام کے تحت دے رہی ہے، جو اپنے خالق حقیقی کو ہر نقص، کمزوری اور عیب سے پاک قرار دیتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَسْبِيحٌ لِّهِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (الاسراء: ۴۴)

(ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں، ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو، ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے)

لہذا یہ مخلوقات چاہے ناطق ہوں یا غیر ناطق، زندہ ہوں یا مردہ، سب کی سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کوئی حکم کے تابع ہیں، اور سب کی سب اللہ تعالیٰ کو اپنی زبان حال اور مقال سے ہر نقص اور عیب سے پاک قرار دے رہی ہیں۔ لہذا جب بھی کوئی عقلمند ان مخلوقات پر غور کرے تو دیکھے گا کہ وہ حق کے ساتھ اور حق کے لیے پیدا کی گئی ہیں، اور وہ مسخر کی گئی ہیں ان کی بذات خود کوئی تدبیر نہیں، اور نا ہی اپنے مدبر کی نافرمانی کرتی ہیں، گویا کہ سب فطرتاً اپنے خالق کی اقراری ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (اور وہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی) فرمانبردار، اطاعت گزار، (اس کے آگے) مجبور اور بے بس ہیں، ان اعتبارات سے کہ:

- وہ جانتے ہیں کہ وہ سب اس کے محتاج ہیں اور انہیں اس کی ضرورت ہے۔
- وہ اطاعت گزار اور مجبور ہیں اس لیے کہ اس کی قضاء و قدر اور مشیت ان پر جاری و ساری ہے۔

- مجبوری، اضطراب اور مصیبت کے وقت وہ سب اسے ہی پکارتے ہیں۔

ایک مومن اپنے رب کے حکم کے آگے خوشی سے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے، اور اسی طرح مصیبت کے وقت بھی جو مصیبتیں اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہیں ان پر اپنے رب کے حکم کے مطابق رضامندی کے ساتھ صبر و غیرہ کرتا ہے، چونکہ وہ خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے مسلمان ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری خوشی کے ساتھ کرتا ہے۔ جبکہ کافر اپنے رب کی مشیئت کوئی کا تابع ہوتا ہے، اور کائنات کے سجدے سے مراد اطاعت گزاری ہے، اور ہر چیز کا

سجدہ اس کے حسبِ حال ہوتا ہے جس میں رب کی اطاعت گزاری ہو، پس ہر چیز اپنے مطابق حقیقتاً تسبیح کرتی ہے نہ کہ مجازاً^(۱)۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں:

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبِغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾ (آل عمران: ۸۳)

(کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے، اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے)

آپ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز مطیع اور فرمانبردار ہوئی چاہے خوشی سے ہو یا ناخوشی سے، کیونکہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے آگے پوری طرح سے عبودیت میں جھک گئی ہے چاہے کوئی اس کا اقرار کرے یا انکار، وہ سب کے سب اس کے تابع ہیں، سب اس کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے، کسی کے اختیار میں اس کی مشیت، تقدیر اور فیصلہ سے خارج ہونا

ممکن نہیں، کسی میں طاقت اور قدرت نہیں مگر اس کی مدد سے، وہ تمام جہانوں کا رب اور مالک ہے، ان کے بارے میں جیسا چاہتا ہے ویسا تصرف کرتا ہے، وہی ان تمام چیزوں کا خالق ہے، انہیں پیدا کر کے صورت عطاء کرنے والا ہے، اس کے سوا تمام چیزیں مخلوق و مربوب (رزق دی جاتی) ہیں، پست، فقیر اور محتاج ہیں، عبادت گزار اور مقہور ہیں، اور وہ سبحانہ و تعالیٰ ایک اکیلاز بردست قدرت والا ہے، خالق باری اور مصور ہے۔^(۱)

فصل چہارم: خالق کا وجود اور اس کی وحدانیت ثابت کرنے کے قرآنی انداز کا بیان

خالق کا وجود اور اس کی وحدانیت کو ثابت کرنے کا قرآنی انداز ہی درحقیقت فطرتِ صحیحہ اور عقولِ سلیمہ کے عین مطابق ہے، اور وہ اس طرح سے کہ صحیح دلائل کے ذریعہ ایسی حجت قائم کی جاتی ہے جسے عقل تسلیم و قبول کر لے اور مخالفین اس کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مثلاً:

۱- یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ ہر واقع ہونے والی چیز کا کوئی واقع کرنے والا ہے :

یہ ایک ایسا بدیہی معاملہ ہے جو فطر تائسب کو معلوم ہے، یہاں تک کہ بچے بھی اس بات کو سمجھتے ہیں، اگر بچے کو کوئی مارے اور بچہ اسے نہ دیکھ رہا ہو، تو بچہ یہ سوال کرتا ہے: کس نے مجھے مارا؟ اگر جواباً کہا جائے: کسی نے نہیں، تو اس کی عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرے گی کہ ضرب بغیر کسی ضرب لگانے والے کے کیسے لگ سکتی ہے، پھر اگر کہا جائے کہ فلاں نے تمہیں ضرب لگائی (مارا)، تو وہ روتا ہے یہاں تک کہ اس مارنے والے کو بھی مارا جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ (الطور: ۳۵)

(کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟

یا یہ خود (اپنے آپ کو) پیدا کرنے والے ہیں؟)

یہ محصور تقسیم ہے، اللہ تعالیٰ نے استفہام انکاری کے صیغے میں اس کا ذکر کیا ہے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ باتیں لازماً معلوم ہوتی ہیں، ان کا انکار ممکن ہی نہیں، فرمایا:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ (الطور: ۳۵)

(کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟)

یعنی: بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے، یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے؟ اور دونوں ہی باتیں باطل اور ناممکن ہیں، لہذا ثابت یہ ہوا کہ لازماً کوئی پیدا کرنے والا ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہیں، ان کے سوا اور کوئی خالق نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَمْروني مَآذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ (لقمان: ۱۱)

(یہ ہے اللہ کی مخلوق، اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ)

﴿أَمْروني مَآذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ﴾ (الاحقاف: ۴)

(مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے)

﴿أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ﴾

﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (الرعد: ۱۶)

(کیا جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے کہ ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی ہو، کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾
(الحج: ۷۳)

(اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں)

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾
(النحل: ۲۰)

(اور جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں)

﴿أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ (النحل: ۱۷)

(تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے)

اور اس بار بار چیلنج کے باوجود کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے کچھ پیدا کیا ہے، محض دعویٰ تک نہیں کیا ثابت کرنا تو دور کی بات رہی، لہذا یقیناً یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی اکیلے خالق ہیں اور ان کا کوئی شریک نہیں۔

۲۔ کائنات کے تمام معاملات اور احکامات کا (اکیلے) انتظام فرمانا:

اس بات کی سب سے عمدہ اور ٹھوس دلیل کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات میں تدبیر کرتے ہیں اور وہ بلا تنازعہ اکیلے رب ہیں ان کا کوئی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ أَذَّاهَبَ كُلَّ إِلَهٍ مِمَّا خَلَقَ

وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (المؤمنون: ۹۱)

(نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا)

حقیقی الہ (معبود) کے لیے لازم ہے کہ وہ خالق (پیدا کرنے والا) اور فاعل (عمل و فعل کرنے والا) ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الہ ہوتا جو مملکت میں اس کا شریک ہوتا (پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے) تو پھر اس کی بھی مخلوق ہوتی اور اس کا بھی فعل (عمل دخل) ہوتا، اور اگر ایسا ہوتا تو ہر الہ دوسرے کی

شرکت کو پسند نہیں کرتا، بلکہ جس سے بھی ہو سکتا وہ دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا اور اکیلا ہی مملکت کا مالک اور معبود بن جاتا، اور اگر ایسا نہ کر سکتا تو مملکت اور مخلوق میں سے اپنا حصہ لیکر الگ ہو جاتا، جیسا کہ دنیا کے بادشاہ اپنی اپنی مملکت لیکر الگ ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں تقسیم ہو جاتی، اور تین میں سے ایک بات لازماً واقع ہوتی:

ا۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو شکست دیتا اور اکیلا مملکت کا مالک بن جاتا۔

ب۔ یادوں میں سے ہر ایک اپنی اپنی مملکت اور مخلوق لیکر الگ ہو جاتا، اور اس کے نتیجے میں تقسیم ہو جاتی۔

ج۔ یادوں کسی ایک بادشاہ کے ماتحت ہو جائیں اور وہ جیسا چاہے ان کے بارے میں تصرف کرے، اور اس کے نتیجے میں دونوں اس ایک الہ کے بندے ہو جاتے اور وہ ان دونوں کا معبود حقیقی۔

در اصل حقیقت یہی ہے، اس لیے کہ جہان میں کوئی تقسیم اور خلل واقع نہیں ہوا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی تدبیر کرنے والا ایک ہی ہے جس کا کوئی مقابل نہیں، اور اس کا مالک بھی ایک ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

۳۔ مخلوقات کو اپنی خصوصیات کے ساتھ کام انجام دینے کے لیے مسخر کیا گیا ہے:

اس جہان میں کوئی ایسی مخلوق نہیں جو نافرمانی کرتی ہو اور اپنا کام (جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے) سرانجام نہ دیتی ہو، اور یہی دلیل موسیٰ علیہ السلام نے پیش کی جب فرعون نے دریافت کیا:

﴿قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَى﴾ (طہ: ۴۹)

(فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟)

موسیٰ علیہ السلام نے کافی شافی جواب دیا:

﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾ (طہ: ۵۰)

(ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی)

(پھر راہ سبھادی)

یعنی: ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، اور ہر مخلوق کو ایسی خلقت عطاء فرمائی جو اس کے لائق تھی، کسی کا جسم بڑا کسی کا درمیانہ اور کسی کا چھوٹا اور ہر ایک کی اس کے مطابق مخصوص صفات، پھر جو مخلوق جس کام کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کی اس جانب ہدایت (رہنمائی) بھی فرمادی، اور یہ ہدایت

ہدایتِ دلالت والہام (فطری الہامی) ہے، اور یہ ایسی مکمل ہدایت ہے جس کا مشاہدہ تمام مخلوقات میں کیا جاسکتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر مخلوق ان فوائد کی تگ و دو میں ہے جن کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے اور نقصانات کو اپنے سے دور کرتی ہے، یہاں تک کہ ایک جانور کو بھی اللہ تعالیٰ نے اتنا شعور عطاء کیا ہے کہ وہ اپنے فائدہ کی چیز حاصل کر سکتا ہے، اور نقصان دہ چیز کو اپنے سے دور کرتا ہے، اور ہر چیز زندگی میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے، اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بیان ہوئی:

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ﴾ (السجدة: ۷)

(جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی)

لہذا جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، اور اسے ایسی اچھی شکل عطاء کی کہ عقل اس سے زیادہ بہتر شکل کبھی تجویز نہیں کر سکتی اور اسے اپنے مصالحِ حیات کی رہنمائی عطا فرمائی، وہ ذات ہی در حقیقت ربِّ کریم کی ذات اقدس ہے۔ لہذا اس ذات کا انکار کرنا در حقیقت وجود کے اعتبار سب سے عظیم ترین چیز کا انکار ہے، یہ تکبر اور کھلے عام جھوٹ بولنا ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے مخلوقات کو ہر وہ چیز عطاء فرمائی جس کی انہیں دنیا میں ضرورت ہے، پھر انہیں ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ سکھایا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی مناسب

شکل و صورت عطاء فرمائی، اور ہر نر اور مادہ کو اس کی خاص شکل عطاء فرمائی جو نکاح، الفت اور معاشرت کے اعتبار سے اس کی جنس کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو، اور ہر عضو کو اس کی مناسبت سے خاص شکل عطاء فرمائی جس سے وہ اس کے مطابق فوائد حاصل کر سکے، ان سب میں واضح اور قطعی دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے رب ہیں، اور صرف وہ ہی عبادت کے لائق ہیں۔ . .

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ آيَةٌ
تَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّهُ الْوَاحِدُ

(ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو نشانہ ہی کر رہی ہے کہ وہ ایک ہے)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ (سبحانہ و تعالیٰ) کی اپنی مخلوق پر ربوبیت کے اثبات اور اس میں انفرادیت سے مقصود اللہ (سبحانہ و تعالیٰ) کی بلا شرکتِ غیرے عبادت کے وجوب پر استدلال ہے، اور یہی توحید الوہیت ہے۔ لہذا اگر کوئی انسان توحید ربوبیت کا تو اقرار کرے لیکن توحید الوہیت کا اقرار نہ کرے یا جیسا کہ اس کا حق ہے اس پر قائم نہ رہے تو وہ مسلمان اور موحد نہیں ہوتا، بلکہ وہ منکر اور کافر ہی ہوگا، اور اسی کے بارے میں ہم آنے والی فصل میں بات کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فصل پنجم: اس بات کا بیان کہ توحید ربوبیت توحید الوہیت کو مستلزم ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے توحید ربوبیت کا اقرار کرتا ہے، اور اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، کوئی رزق دینے والا نہیں، کوئی کائنات میں تدبیر اور تصرف کرنے والا نہیں، اس پر یہ بات لازم ہوتی ہے کہ وہ اس بات کا بھی اقرار کرے کہ کسی بھی قسم کی عبادت کا حقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں، اور یہی توحید الوہیت ہے۔ الوہیت در حقیقت عبادت ہے، الہ کا مطلب ہے: معبود، لہذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے، کسی سے مدد نہ مانگی جائے، کسی پر توکل نہ کیا جائے، کسی کے لیے قربانیاں اور ذبح نہ کیا جائے اور نہ ہی نذر و نیاز کی جائیں، اور ہر قسم کی عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے نہ کی جائیں۔ لہذا توحید ربوبیت در حقیقت توحید الوہیت کے وجوب کی دلیل ہے، اسی لیے غالباً اللہ تعالیٰ توحید الوہیت کے منکرین پر ان کا توحید ربوبیت کا اقرار کرنا بطور حجت قائم کرتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنْ

السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿البقرة: ۲۱-۲۲﴾

(اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے
لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے (یہاں کہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو) * جس نے
تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر اس
سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک
مقرر نہ کرو)

پس اللہ تعالیٰ نے توحید الوہیت کا حکم دیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے،
اور ان پر توحید ربوبیت یعنی تمام اگلے پچھلے لوگوں کو پیدا کرنا، آسمان اور زمین کو اور
جو کچھ ان میں ہے سب کو پیدا کرنا، ہوائوں کو مسخر کرنا، بارش برسانا، نباتات اور
پودے اگانا، بندوں کے لیے بطور رزق پھل نکالنا سے حجت قائم کی، چنانچہ بندوں
کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائیں جبکہ وہ
جانتے ہیں کہ جنہیں وہ شریک ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے مذکورہ افعال یا ان کے
علاوہ جو ہیں میں سے کچھ نہیں کیا ہے۔ پس توحید ربوبیت سے استدلال کرتے
ہوئے توحید الوہیت کا اثبات کرنا فطری طریقہ ہے کیونکہ انسان کا سب سے پہلے
تعلق اس کے پیدا کرنے والے سے اور اس کے فائدے اور نقصانات کے ماخذ سے

ہوتا ہے، اس کے بعد وہ دیگر دوسرے ذرائع کی طرف منتقل ہوتا ہے جو اسے اس سے قریب کر دیں، اور اسے راضی کر دیں، اور دونوں کے درمیان مضبوط تعلق قائم ہو جائے، لہذا توحید ربوبیت درحقیقت دروازہ ہے توحید الوہیت کا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر اسی طریقہ سے حجت قائم کی ہے، اور اسی طریقہ سے حجت قائم کرنے کا اپنے رسول (ﷺ) کو بھی حکم فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلْ مَنْ بِيَدِ مَلَكُوتِ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ﴾
(المؤمنون: ۸۴-۸۹)

(پوچھئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟*)
نورِ آجواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے
* دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت با عظمت عرش کا رب کون ہے؟ * وہ
لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ *
پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے

مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ * یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ﴾

(الانعام: ۱۰۲)

(یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،

ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تم اسی کی عبادت کرو)

پس اللہ تعالیٰ نے ربوبیت پر اپنی انفرادیت کے ذریعہ عبادت کے مستحق ہونے پر حجت قائم کی، اور وہ توحید الوہیت ہی ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

(میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ

صرف میری عبادت کریں)

آیت میں ﴿يَعْبُدُونِ﴾ کا مطلب: (صرف میری عبادت کریں) ہے، اور بندہ محض توحید ربوبیت کا اقرار کرنے سے موحد نہیں ہوتا، یہاں تک کہ وہ توحید الوہیت کا بھی اقرار نہ کر لے اور اس پر عمل کرے، وگرنہ تو مشرکین بھی توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے اس کے باوجود وہ اسلام میں داخل نہیں تصور کیے گئے، بلکہ نبی (ﷺ) نے ان سے قتال کیا جبکہ وہ اس بات کا اقرار کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق، زندگی اور موت دینے والے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (الزخرف: ۸۷)

(اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟

تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے)

﴿وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ (الزخرف: ۹)

(اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان

کا جواب یہی ہو گا کہ انہیں غالب و دانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے)

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ
وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدِيرُ الْأَمْرَ
فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۖ﴾ (يونس: ۳۱)

(آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ "اللہ")

اس بات کا ذکر قرآن کریم میں بہت جگہ ہوا ہے، لہذا جس نے یہ دعویٰ کیا کہ توحید کا مطلب اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرنا ہے، یا اس بات کا اقرار کہ اللہ تعالیٰ خالق ہیں اور کائنات میں تدبیر کرتے ہیں، اور بس اسی پر اکتفاء کیا، تو درحقیقت اسے اس توحید کی حقیقت کا علم ہی نہیں ہوا جس کی دعوت رسولوں نے دی، اس لیے کہ اس نے لازم کو چھوڑ کر صرف ملزوم پر اکتفاء کیا، یا صرف دلیل پر اکتفاء کیا اور یہ دلیل جس پر دلالت کر رہی تھی (مدلول) اسے چھوڑ دیا۔

اور الوہیت کے خصائص میں ہے: ہر اعتبار سے کمال مطلق، جس میں کسی بھی اعتبار سے کوئی نقص نہ ہو، جو اس بات کا متقاضی ہے کہ ساری عبادت اکیلے

اس ہی کے لیے کی جائے، اس ہی کے لیے تعظیم اور اجلال ہو، خشیت اور دعاء ہو، امید، رجوع و انابت، توکل، استعانت و استغاثہ، انتہائی عاجزی کے ساتھ انتہائی محبت ہو، یہ سب عقلاً اور شرعاً اور فطرتاً اس بات کا تقاضا کر رہی ہیں کہ یہ سب صرف ایک اللہ کے لیے ہونا چاہیے جبکہ عقل، شریعت اور فطرت اس بات کی نفی کرتی ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ہو۔

۲ - توحید الوہیت

یہ درج ذیل فصول پر مشتمل ہے:

فصل اول: توحید الوہیت کے مطلب کے بارے میں ہے، اور یہ کہ یہی رسولوں کی دعوت کا اصل موضوع ہے۔

فصل دوم: شہادتین کے بارے میں ہے: ان دونوں کا مطلب، ارکان، شرائط، تقاضے اور نواقض۔

فصل سوم: شریعت سازی کے بارے میں ہے، کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

فصل چہارم: عبادت کے بارے میں ہے: اس کا مطلب، اقسام اور شمولیت۔

فصل پنجم: عبادت کا تعین کرنے میں غلط تصورات کے بارے میں ہے (مثلاً عبادت کے مفہوم میں تقصیر یا غلو کرنا)۔

فصل ششم: صحیح عبادت کی بنیادوں کے بارے میں ہے: محبت — خوف — عاجزی — امید۔

فصل ہفتم: عمل اور عبادت قبول ہونے کی شرائط کے بارے میں ہے: اور وہ ہیں اخلاص اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے (سنت) کی پابندی۔

فصل ہشتم: دین کے مراتب کے بارے میں ہے، اور وہ ہیں: اسلام — ایمان — احسان، ان کی تعریف اور ان کے مابین عموم اور خصوص کا بیان۔

فصل اول: توحید الوہیت کا مطلب، اور یہ کہ یہی رسولوں کی دعوت کا موضوع ہے

توحید الوہیت:

الوہیت عبادت ہے اور توحید الوہیت یہ ہے کہ: بندوں کے وہ شرعی اعمال جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ادا کیے جائیں، مثلاً دعاء، نذر و نیاز، منت، قربانی، امید، خوف، توکل،

رغبت، خشیت، انابت، اور توحید کی یہ ہی قسم اول تا آخر تمام رسولوں کا موضوع رہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

(النحل: ۳۶)

(ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ

أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

(آپ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو)

اور ہر رسول اپنی قوم کو دعوت دینا توحید الوہیت ہی سے شروع کرتے تھے، جیسا کہ نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام نے فرمایا:

﴿يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ (الاعراف: ۵۹)

(ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم

! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں)

﴿وَابْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ﴾ (العنکبوت: ۱۶)

(اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو

اور اس سے ڈرتے رہو)

اور محمد (ﷺ) پر بھی یہی نازل کیا گیا:

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ (الزمر: ۱۱)

(آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ

اسی کے لیے عبادت کو خالص کر لوں)

اور نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد ہے: ”أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا

أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللَّهِ“^(۱) (متفق علیہ) (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں)

لہذا ہر مکلف شخص پر سب سے پہلے یہ واجب ہوتا ہے کہ وہ: اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس پر عمل کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ (محمد: ۱۹)

(سو) اے نبی (ﷺ) آپ یقین کر لیں اور اس بات کا علم حاصل کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں)

اور جو کوئی بھی اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے سب سے پہلے: کلمہ شہادت کا زبان سے تلفظ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ اس سے واضح ہو گیا کہ: توحید الوہیت ہی رسولوں کی دعوت کا مقصود ہے، اور یہ توحید الوہیت اس لیے کہلاتی ہے کیونکہ الوہیت اللہ تعالیٰ کا ایسا وصف ہے جو اس کے نام (اللہ) پر دلالت کرتا ہے، اللہ یعنی: الوہیت والا، یعنی معبود۔

اور اسے توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے کہ عبودیت بندے کا وصف ہے، کیونکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اس لیے کہ وہ اپنے رب کا محتاج ہے اور اپنے رب پر انحصار کرنے والا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (یہ بات اچھی طرح جان لو کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا

ایسا محتاج ہے: کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کی کوئی نظیر نہیں کہ اس پر قیاس کیا جائے، لیکن کچھ اعتبارات سے مشابہت پائی جاتی ہے جیسا کہ جسم کو کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ ان کے درمیان بھی بہت فرق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بندے کی حقیقت اس کا دل اور روح ہے، اور اس کی درستی اس کے الہ اللہ تعالیٰ کے بغیر ممکن نہیں جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، لہذا دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا، اور اگر بندہ کو کچھ لذت اور سرور اللہ تعالیٰ کے (ذکر کے) بغیر حاصل بھی ہو جائے تو اسے دوام حاصل نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک قسم سے دوسری قسم کی طرف اور ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، لیکن الہ کی ضرورت اسے ہر حال میں اور ہر وقت رہتی ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہو وہ (اپنی رحمت، علم و قدرت کے اعتبار سے) اس کے ساتھ ہوتا ہے^(۱)

اور توحید کی یہی قسم تمام رسولوں کی دعوت کا موضوع رہا ہے، اس لیے کہ یہ وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے، اگر یہ نہ ہو تو تمام اعمال درست نہیں ہوتے، اور اگر یہ نہ ہو تو اس کا مخالف ضرور ہوتا ہے اور وہ ہے شرک، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ (النساء: ۴۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام: ۸۸)

(اور اگر بالفرض یہ (انبیاء کرام) بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ

سب اکارت ہو جاتے)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(الزمر: ۶۵)

(اگر آپ (ﷺ) نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین

آپ زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے)

اور اس لیے بھی کیونکہ توحید کی یہ قسم بندے پر جو کچھ واجب ہے اس میں

سے اولین حق ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾

(النساء: ۳۶)

(اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو)

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (الاسراء: ۲۳)

(اور تیرا رب صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ

إِحْسَانًا﴾ (الانعام: ۱۵۱)

(آپ ﷺ) کہیں کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمادیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو)

فصل دوم: شہادتین: ان کا صحیح مطلب اور اس میں جو غلطیاں واقع

ہوئیں، اور ان کے ارکان، شرائط، تقاضے

اور نواقض (مبطلات) کا بیان

اول: شہادتین کا مطلب :

۱- "شہادۃ ان لا الہ الا اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ: "الاعتقاد والإقرار أنه لا يستحقُّ العبادة إلا الله، والتزام ذلك والعمل به" (اس بات کا اقرار کرنا اور اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا التزام کرنا اور اس پر عمل کرنا)۔ چنانچہ (لا الہ) اس بات کی نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہو خواہ کوئی بھی ہو، (الا اللہ) اس بات کا اثبات ہے کہ عبادت کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور اس کلمہ کا اجمالی مطلب یہ ہے کہ: "لا معبودَ بحقٍ إلا الله" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں)، اور (لا) کی خبر کو (بحق) (برحق) سے ہی تعبیر کیا جائے گا، اس کو موجود سے تعبیر کرنا درست نہیں^(۱)،

^۱ یعنی "لا الہ الا اللہ" کا معنی "لا معبود بحق الا اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں) کیا جائے گا نہ کہ "لا معبود الا اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) یا پھر "لا معبود موجود الا اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود موجود نہیں)۔ (ط ع)

کیونکہ یہ حقیقتِ حال کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبودات تو باکثرت موجود ہیں اور اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان معبودات کی عبادت کرنا بھی گویا اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت ہے، جبکہ یہ باطل ترین بات ہوگی۔ اور یہ وحدت الوجود کے قائل لوگوں کا مذہب ہے جو کہ اس زمین کے سب سے بڑے کافر لوگ ہیں۔

اس کلمہ کی بہت سی باطل تفسیرات بھی کی گئیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) اس کا مطلب ہے: "لا معبودَ إِلَّا اللہ" (کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے)۔

جبکہ یہ باطل تفسیر ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ: ہر معبود خواہ حق ہو یا باطل وہ اللہ ہے، جیسا کہ ہم نے کچھ پہلے اس کا بیان کیا ہے۔

(ب) اس کا مطلب ہے: "لا خالقَ إِلَّا اللہ" (کوئی پیدا کرنے والا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے)، یہ اس کلمہ کے معنی کا صرف ایک جزء ہے، حالانکہ یہ اصل مقصود نہیں، کیونکہ اس سے صرف توحید ربوبیت ثابت ہوتی ہے، اور محض یہ توحید کافی نہیں یہ تو مشرکین کی بھی توحید ہے۔

(ج) اس کا مطلب ہے: "لا حاکمیۃَ اِلاّ اللہ" (کسی کی حاکمیتِ اعلیٰ نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے)۔

یہ بھی درحقیقت اس کلمہ کے معنی کا صرف ایک جزء ہے، اصل مقصود نہیں، اور نا ہی یہ کافی ہے، کیونکہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو صرف حاکمیتِ اعلیٰ میں اکیلا تسلیم بھی کر لے لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارے، اس سے دعاء کرے یا کچھ عبادت اس کے لیے ادا کرے تو وہ موحد نہیں ہوگا۔ پس اس قسم کی تمام تفسیرات باطل یا ناقص ہیں، ہم نے اس پر اس لئے تنبیہ کی ہے کیونکہ یہ بعض عام طور پر پڑھی جانے والی کتابوں میں موجود ہے۔

چنانچہ اس کلمے کی صحیح تفسیر سلف صالحین اور محققین کی نظر میں یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے: "لا معبود بحق اِلاّ اللہ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں) جیسا کہ اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۲- "شہادۃ ان محمد ارسول اللہ" کا مطلب یہ ہے: اس بات کا اعتراف باطن اور ظاہر میں کیا جائے کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا جائے اس طرح کہ: "طاعتہ فیما أمر، وتصدیقہ فیما أخبر، واجتناب ما نہی عنہ وزجر، وألا یُعبدَ اللہ اِلاّ بما شرع" (جن باتوں کا وہ حکم فرمائیں ان کی اطاعت کی

جائے، جن باتوں کی وہ خبر فرمائیں ان کی تصدیق کی جائے، جن باتوں سے منع اور خبردار فرمائیں ان سے اجتناب کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت آپ (ﷺ) کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کی جائے۔

دوم: شہادتین کے ارکان :

۱۔ لا الہ الا اللہ : اس کے دو ارکان ہیں (نفی اور اثبات):

رکن اول: نفی: لا الہ (کوئی معبود نہیں)، اس سے شرک کی تمام اقسام کی نفی ہوتی ہے، اور اس سے لازم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبودات کا انکار کیا جائے۔

رکن ثانی: اثبات: الا اللہ (سوائے اللہ کے)، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی عبادت کے لائق اور حقدار نہیں سوائے اللہ کے، اور اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ لہذا ان دونوں ارکان کے مفہوم کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾

(البقرة: ۲۵۶)

(جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے
اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا)

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ﴾ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا
دوسرے معبودوں کا انکار کرے) یہ رکن اول کا مطلب ہے (لا الہ) ، اور یہ
فرمان: ﴿وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ (اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے) یہ رکن ثانی کا مطلب ہے
(الا الہ)۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِنِّي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي﴾ (الزخرف: ۲۷)

(میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو * بجز اس ذات کے
جس نے مجھے پیدا کیا ہے)

ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا: ﴿إِنِّي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ﴾ (میں ان چیزوں
سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو) یہ وہی نفی ہے جو رکن اول "لا
الہ" کے مفہوم میں ہے، اور یہ کہنا: ﴿إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي﴾ (بجز اس ذات کے
جس نے مجھے پیدا کیا ہے) یہ اثبات ہے جو رکن ثانی کے مفہوم میں ہے۔

۲- شہادۃ أن محمدًا رسول الله: اس کے دوار کاں ہیں اور وہ ہمارا یہ کہنا ہے عبدہ ورسولہ (اللہ کے بندے اور رسول ہیں):

عبدہ ورسولہ میں نبی (ﷺ) کے حق میں افراط اور تفریط دونوں کی نفی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، اور وہ ان دونوں عظیم الشان صفات کے اعتبار سے اکمل المخلوق ہیں۔

یہاں پر عبد (بندہ) کا مطلب ہے: "المملوك العابد، أي: أنه بشرٌ مخلوق مما خلق منه البشر؛ يجري عليه ما يجري عليهم" (عبادت گزار مملوک، یعنی کہ: وہ ایک مخلوق انسان و بشر ہیں باقی انسانوں کی طرح، وہ بھی ان تمام چیزوں سے دوچار ہوتے ہیں جن سے دوسرے انسان ہوتے ہیں)، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (الكهف: ۱۱۰)

(آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں)

اور نبی (ﷺ) نے عبودیت (بندگی) کا بھرپور حق ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات پر تعریف فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ (الزمر: ۳۶)

(کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟)

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ (الکہف: ۱)

(تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا)

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى﴾ (الاسراء: ۱)

(پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد

اقصى تک لے گیا)

رسول کا مطلب ہے: "المبعوث إلى الناس كافة بالدعوة إلى الله بشيئة أو نذيرًا"

(جو دعوت الی اللہ (کی ذمہ داری) لے کر تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہو

اور وہ خوشخبری بھی سناتا ہو اور خبردار بھی کرتا ہو)۔

رسالت کی ان دونوں صفات کے ساتھ گواہی دینے میں نبی اکرم (ﷺ)

کے حق میں افراط اور تفریط کی نفی ہوتی ہے، بہت سے لوگ جو نبی کریم (ﷺ)

کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم (ﷺ) کے حق میں افراط

اور غلو سے کام لیا، یہاں تک کہ انہیں عبودیت کے رتبہ سے بلند کر کے اللہ تعالیٰ

کے ساتھ ان کی بھی عبادت کے رتبہ پر پہنچا دیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے مدد مانگنے لگے، اور وہ چیزیں مانگنے لگے جن پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتے ہیں جیسے مشکل کشائی اور حاجب روائی کرنا۔ جبکہ دوسری طرف بعض نے یا تو ان کی رسالت کا انکار کیا یا ان کی پیروی میں کمی کی اور سنت کے مخالف آراء و اقوال پر انحصار کیا، اور جو احکامات انہوں نے بتلائے اور جو خبریں انہوں نے دیں ان میں ظلم اور ناانصافی سے کام لیا۔

سوم: شہادتین کی شرائط :

۱۔ لا الہ الا اللہ کی شرائط :

لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے کے لیے سات شرائط لازم ہیں، اس کلمہ کا تلفظ کرنے والے کو ان کے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہوگا اگر یہ سات شرطیں سب کی سب پوری نہ ہوں، اور یہ شرائط اجمالی طور پر درج ذیل ہیں :

اول: علم جو جہل کے منافی ہے۔

دوم: یقین جو شک کے منافی ہے۔

سوم: قبول جو رد کرنے کے منافی ہے۔

چہارم: انقیاد (اطاعت گزاری) جو ترک (نافرمانی) کے منافی ہے۔

پنجم: اخلاص جو شرک کے منافی ہے۔

ششم: صدق (سچائی) جو کذب (جھوٹ) کے منافی ہے۔

ہفتم: محبت جو بغض کے منافی ہے۔

اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلی شرط (علم): یعنی وہ علم جو اس سے مراد ہے "وما تنفیہ وما تثبتہ، المنافی للجهل بذلک" (نفی اور اثبات دونوں صورتوں میں اور یہ جہالت اور لاعلمی کے منافی ہے) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (الزخرف: ۸۶)

(سوائے ان کے جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں اس کا علم بھی ہو)

یعنی: ﴿شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ (حق بات کا اقرار کریں) وہ (حق بات) ہے لا الہ الا اللہ، ﴿وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (اور انہیں علم بھی ہو) جس بات کی انہوں نے زبان سے گواہی دی ہے اس کا اپنے دلوں میں بھی علم ہو۔ چنانچہ اگر کوئی محض زبان سے تلفظ کرے جبکہ اسے اس کا مطلب معلوم نہ ہو تو اسے اس اقرار کا

کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ جس چیز پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے وہ اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا۔

دوسری شرط (یقین): "بأن يكون قائلها مستيقناً بما تدلّ عليه؛ فإن كان شاكّاً بما تدلّ عليه لم تنفعه" (اس کلمہ کا اقرار کرنے والے کو اس کا پورا یقین بھی ہو کہ یہ کلمہ کس بات پر دلالت کر رہا ہے، اگر اسے اس بات پر شک ہو جس پر یہ کلمہ دلالت کر رہا ہے تو اسے اس اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا)، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾

(الحجرات: ۱۵)

(مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں) اگر اسے شک و شبہ ہوگا تو وہ منافق ہوگا۔

نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد ہے: ”من لقيت وراء هذا الحائط يشهد أن لا إله إلا الله مستيقناً قلبه فبشرة بالجنة“^(۱) (اس دیوار کے پیچھے تمہاری جس سے بھی ملاقات ہو، اگر وہ دل میں یقین کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ لا الہ الا

^۱ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے، کتاب الایمان (۳۱)۔

اللہ تو اسے جنت کی بشارت سنادو) گویا جس کے دل میں اس کلمہ کا یقین نہ ہو، وہ جنت میں داخل ہونے کا حقدار نہیں۔

تیسری شرط (قبول): "القبول لما اقتضته هذه الكلمة من عبادة الله وحده، وترك عبادة ما سواه؛ فمن قالها ولم يقبل ذلك ولم يلتزم به؛ كان من الذين قال الله فيهم:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ وَيَقُولُونَ إِنَّا لِلَّهِ كُوفُوا

أَلِهِنَّا لِشَاعِرٍ مُّجْتَوِّنٍ﴾ (الصافات: ۳۵-۳۶)"

(جو اس کلمہ کا تقاضا ہے اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت، اور اس کے سوا ہر چیز کی عبادت کو چھوڑ دینا، لہذا جس نے یہ کلمہ زبان سے کہا لیکن اسے قبول کر کے اس کا التزام نہیں کیا، تو وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

(یہ وہ) لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے * اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟)

یہ آج کے قبر پرستوں جیسا حال ہے جو کہتے تو ہیں (لا الہ الا اللہ)، لیکن قبروں کی عبادت کرنا نہیں چھوڑتے، لہذا وہ لا الہ الا اللہ کے قبول کرنے والے نہیں شمار ہوں گے۔

چوتھی شرط (انقیاد): "الانقیاد لما دلت علیہ" (یہ کلمہ جس چیز پر دلالت کرتا ہے اس کی پابندی اور اطاعت گزاری)، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (لقمان: ۲۲)

(اور جو) (شخص) اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے اور ہو بھی وہ نیکو کار، یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا)

اور ﴿الْعُرْوَةُ الْوُثْقَىٰ﴾ (مضبوط کڑا): لا الہ الا اللہ ہے، اور ﴿يُسَلِّمُ وَجْهَهُ﴾ (اپنے آپ کو اللہ کے تابع کرنے) کا مطلب ہے: "ینقاد للہ بالاخلاص لہ" (اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری)۔

پانچویں شرط (سچائی): اور وہ یہ کہ "أَنْ يَقُولَ هَذِهِ الْكَلِمَةُ مُصَدِّقًا بِهَا قَلْبُهُ، فَإِنْ قَالَهَا بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَصْدَقْ بِهَا قَلْبُهُ كَانَ مُنَافِقًا كَاذِبًا" (اس کلمہ کو دل کی سچائی کے

ساتھ کہا جائے، اگر محض زبان سے تلفظ کرے گا اور دل میں سچائی نہیں ہوگی تو وہ جھوٹا اور منافق ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ * يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ * فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ (البقرة: ۸-۱۰)

(بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں * وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں مزید بڑھادیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے)

چھٹی شرط (اخلاص): اور وہ یہ کہ: "تصفیۃ العمل من جمیع شوائب الشریک؛ بأن لا یقصد بقولها طمعاً من مطامع الدنیا، ولا ریاء ولا سمعة؛ لما فی الحدیث الصحیح من حدیث عتبان قال ”فَإِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ“ (الحدیث أخرجه الشيخان) (اس عمل (کلمہ کے

اقرار) کو شرک کے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ تک سے پاک کیا جائے، وہ اس طرح کہ اس عمل (کلمہ کے اقرار) سے کوئی دنیاوی مقاصد اور لالچ مقصود نہ ہو، نہ ہی شہرت یا ریاکاری مقصود ہو، جیسا کہ عتبان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک صحیح حدیث میں ہے، فرمایا: [جولاءہ الا للہ کا اقرار کرے اور اس کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے آگ پر حرام کر دیا ہے] ^(۱) (متفق علیہ)

ساتویں شرط (محبت): "المحبة لهذه الكلمة، ولما تدل عليه، ولأهلها العاملين بمقتضاها" (اس کلمہ سے اور یہ کلمہ جس چیز پر دلالت کرتا ہے اس سے اور اس کا اقرار کر کے اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے والوں سے محبت رکھنا) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّوهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

(بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے، اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں)

^۱ البخاري الأظعمة (۵۰۸۶)، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (۳۳).

پس (لا الہ الا اللہ) پر یقین رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ سے خالص محبت رکھتے ہیں، جبکہ اہل شرک اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں سے بھی (اللہ جیسی) محبت رکھتے ہیں، اور یہ بات اس کلمہ (لا الہ الا اللہ) کے منافی ہے۔

ب۔ محمد رسول اللہ کی شرائط:

۱۔ محمد (ﷺ) کی رسالت کا اعتراف کیا جائے، اور باطن میں دل کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھا جائے۔

۲۔ اس کا ظاہر طور پر بھی زبان سے تلفظ اور اعتراف کیا جائے۔

۳۔ ان کی پیروی کی جائے، اس طور پر کہ جس حق کو وہ لیکر آئے ہیں اس پر عمل کیا جائے، اور جس باطل کو چھوڑنے کا انہوں نے حکم دیا ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔

۴۔ ماضی اور مستقبل کی جو غیبی خبریں انہوں نے دی ہیں انکی تصدیق کی جائے۔

۵۔ ان سے ایسی محبت کی جائے جو اپنی جان، مال، اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ ہو۔

۶ - ان کی بات کو ہر کسی کی بات پر ترجیح دی جائے، اور ان کی سنت پر عمل کیا جائے۔

چہارم: شہادتین کے لوازمات :

۱۔ شہادۃ لا الہ الا اللہ کے لوازمات :

"هو ترك عبادة ما سوى الله من جميع المعبودات ، المدلول عليه بالنفي ، وهو قولنا : (لا اله) . وعبادة الله وحده لا شريك له ، المدلول عليه بالإثبات ، وهو قولنا : (لا اله) " (یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبودات کی عبادت کو ترک کر دیا جائے، جو نفی کی صورت میں اس بات کا مدلول ہے (لا الہ) ، اور ایک اللہ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں، جو اثبات کی صورت میں اس بات کا مدلول ہے (الا اللہ)۔ اس لیے کہ بہت سے لوگ جو اس کلمہ کو زبان سے کہتے ہیں درحقیقت اس کے تقاضوں کی مخالفت کرتے ہیں، اور وہ الوہیت کہ جس کی دیگر مخلوقات سے نفی کی گئی ہے کو مخلوقات کے لیے ثابت کرتے ہیں جیسے قبور، مزارات اور درخت و پتھر وغیرہ۔

ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ توحید بدعت ہے، اس لیے اس کی طرف دعوت دینے والوں کی یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہیں ان کو یہ لوگ برا سمجھتے ہیں۔

ب۔ شہادۃ ان محمد رسول اللہ کے لوازمات:

شہادتِ محمد رسول اللہ کے لوازمات یہ ہیں کہ: "طاعته و تصدیقه، وترك ما نهى عنه، والاقتصار على العمل بسنته، وترك ما عداها من البدع والمحدثات، وتقدير قوله على قول كل أحد" (ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی باتوں کی تصدیق کی جائے، ساتھ ہی جن باتوں سے انہوں نے منع فرمایا ہے اسے چھوڑ دیا جائے، اور ان کی سنت پر عمل کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے، ساتھ ہی اس کے سوا تمام بدعات کو ترک کر دیا جائے، اور ان کی بات کو ہر کسی کی بات پر فوقیت دی جائے)۔

پنجم: شہادتین کے نواقض (مخالف امور):

یہ (نواقض اسلام) اسلام کے مخالف امور ہیں، اس لیے کہ شہادتین کے اقرار سے ہی انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے، اور شہادتین کا زبان سے تلفظ کرنا ہی درحقیقت اس کے مدلول کا اعتراف ہے، اور اس کے لوازمات کی پابندی

ہے، شعائر اسلام کو ادا کرنا ہے، لہذا اگر وہ اس التزام و پابندی کی مخالفت کرتا ہے تو وہ درحقیقت اس عہد کی مخالفت اور عہد شکنی کرتا ہے جو اس نے زبان سے شہادتین کا اقرار کرتے وقت کیا تھا۔

نواقض اسلام بہت سارے ہیں، فقہاء نے اپنی کتابوں میں اس کے لیے ایک باب مختص کر دیا ہے جسے وہ "باب الردۃ" (دین سے مرتد کر دینے والے امور کا باب) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جن میں سے سب سے اہم دس نواقض (مخالف امور) ہیں جن کا ذکر شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے اس کلام میں کیا ہے:

۱ - اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

(النساء: ۴۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ

مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (المائدہ: ۷۲)

(یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور ظالموں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا)

اسی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے قربانی دینا بھی شامل ہے، مثلاً قبروں اور مزارات کے لیے یا جن وغیرہ کے کیے ذبح کرنا۔

۲ - جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ اور وسیلہ اختیار کیا، جنہیں وہ پکارے اور ان سے شفاعت طلب کرے اور ان پر توکل کرے، تو وہ اجماعاً کافر ہے۔

۳ - جو مشرکین کو کفار نہ سمجھے، اور جو ان کے کفر میں شک کرے، یا ان کے مذہب کو درست قرار دے وہ بھی کافر ہے۔

۴ - جو یہ سمجھے کہ نبی اکرم (ﷺ) کے طریقہ سے کسی اور کا طریقہ افضل ہے، یا ان کے فیصلے سے کسی اور کا فیصلہ بہتر ہے، جیسے کہ وہ لوگ جو طاغوتی احکامات کو محمد رسول اللہ (ﷺ) کے احکامات سے اور ان قوانین کو اسلامی احکامات سے افضل سمجھتے ہیں۔

۵ - جس نے کسی ایسی چیز سے بغض اور نفرت کی جو رسول اللہ (ﷺ) لے کر آئے ہیں، اگرچہ وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرتا ہو، تو اس نے کفر کیا۔

۶ - جس نے رسول اللہ (ﷺ) کے بتائے ہوئے دین کی کسی چیز کا مذاق اڑایا تو اس نے کفر کیا، اور اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک ہے:

﴿قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَدِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ
إِيمَانِكُمْ﴾ (التوبة: ۶۶)

(کہہ دیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول (ﷺ) ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ * تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے)

۷ - جادو، اور اس میں صرف اور عطف بھی ہے (شاید اس سے شیخ الاسلام کا مقصد وہ عمل ہے جس کے ذریعہ سے ایک شخص کے دل میں اپنی بیوی سے نفرت پیدا کی جاتی ہے، یا کوئی ایسا عمل جس سے بیوی کی محبت دل میں ڈال دی جاتی ہے)، جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا، یا اس پر راضی ہوا تو اس نے کفر کیا، اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَا يُعْلِمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (البقرة: ۱۰۲)

(وہ دونوں بھی کسی شخص کو (جادو) اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر)

۸ - مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد و مظاہرت کرنا، اس کی دلیل

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾

(المائدہ: ۵۱)

(تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہر گز راہ راست نہیں دکھاتا)

۹ - جو یہ اعتقاد رکھے کہ بعض لوگوں کے لیے محمد (ﷺ) کی شریعت کی پابندی سے نکلنا جائز ہے جیسا کہ خضر کے لیے موسیٰ (علیہما الصلاۃ والسلام) کی شریعت کی پابندی سے نکلنا جائز تھا، تو وہ کافر ہے، میں کہتا ہوں: یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ غالی صوفیوں کا اعتقاد ہے کہ بعض لوگ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ انہیں نبی کریم (ﷺ) کی پیروی کی ضرورت نہیں رہتی۔

۱۰ - اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کرنا (منہ موڑنا)، کہ نہ اس کی تعلیم

حاصل کرتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرتا ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾ (الاحقاف: ۳)

(اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں)

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ

مُنْتَقِمُونَ﴾ (السجدة: ۲۲)

(اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا، (یقین مانو) کہ ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں)

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (ان تمام نواقض میں سے کسی کا بھی مرتکب خواہ مذاق میں کرے یا سنجیدگی سے یا پھر ڈر کی وجہ سے ان حالات میں) (اس کے حکم میں) کوئی فرق نہیں، سوائے اس کے جسے زبردستی ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، اور یہ تمام امور انتہائی خطرناک ہیں، اور کثرت سے موجود بھی ہیں، لہذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ ان سے بچ کر رہے، اور اس میں واقع ہونے سے ڈرے، ہم اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے دردناک عذاب میں مبتلا کرنے والے اسباب سے اس کی پناہ مانگتے ہیں) ^(۱)

تیسری فصل: شریعت سازی کے بارے میں

شریعت سازی اللہ تعالیٰ کا حق ہے: اور تشریع (شریعت سازی) سے مراد ہے: (وہ منہج و ضابطہ حیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا تاکہ اپنے عقائد و معاملات وغیرہ کے سلسلے میں وہ اس کی پیروی کریں، اسی میں سے تحلیل و تحریم بھی شامل ہے۔ پس کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی چیز کو حلال قرار دے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو، اسی طرح کسی چیز کو حرام قرار دے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ﴾

لِيَقْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ﴿ (النحل: ۱۱۶)

(کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھ لو)

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا﴾

قُلْ اللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿يونس: ۵۹﴾

(آپ ﷺ) کہیں کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ (ﷺ) پوچھیں کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا تھا یا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہی کرتے ہو؟ پس اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کی دلیل کے سوا تحلیل و تحریم کرنے سے منع فرمایا ہے، اور خبر دی کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے، اسی طرح یہ بھی خبر دی کہ جس کسی نے بنادلیل کسی چیز کو واجب یا حرام قرار دیا تو اس نے گویا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اس خاصیت یعنی حق شریعت سازی میں شریک مقرر کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوری: ۲۱)

(کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ تعالیٰ کے) شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسے احکام دین مقرر کر دئے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی) جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی شریعت سازی کی اطاعت کی اور یہ جانتے ہوئے بھی اس کے اس فعل کی موافقت کی تو اس نے اسے اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے دیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

(اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے)

یعنی مثلاً اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مردار کو حلال قرار دیا، اور کسی نے اس بات میں اس کی اطاعت کی تو وہ مشرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جس کسی نے احبار (علماء) اور رہبان (درویشوں) کی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کی تحلیل اور حلال کردہ کی تحریم میں اطاعت کی پس یقیناً اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنار بنالیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبة: ۳۱)

(ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہا الصلاۃ والسلام) کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے)

جب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو عرض کی: ”یا رسول اللہ،

إِنَّا لَنَسْنَأَعْبُدُهُمْ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - : - أَلَيْسَ أُوَيْحِلُونَ مَا حَرَّمَ

اللہ فتحلونه ، و یحرمون ما أحل الله فتحرمونه ؟ قال : بلی ، قال : فتلك عبادتهم“^(۱) (یا رسول اللہ ﷺ)! ہم تو ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اس پر نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال قرار دیتے تھے تو تم بھی اسے حلال سمجھتے تھے، اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیتے تھے تو تم بھی اسے حرام سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں (ایسا تو کرتے تھے)، آپ (ﷺ) نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت کرنا ہے)

شیخ عبدالرحمن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں احبار و رہبان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کی عبادت شمار ہوگی، اور اس شرک اکبر میں شمار ہوگی جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے، کیونکہ اسی آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾
(التوبة: ۳۱)

^۱ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت فرمایا ہے۔

(حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے) اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْثَالَهُمْ يَذْكُرُ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

(اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام فسق ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے)

اور ایسا سلوک بہت سے لوگ ان کے ساتھ کر جاتے ہیں جن کی وہ تقلید کر رہے ہوتے ہیں، اس طور پر کہ وہ جس کی تقلید کر رہے ہوتے ہیں اس کے قول کے خلاف (واضح) دلیل تک کا اعتبار نہیں کرتے، چنانچہ یہ (حالت) اسی قسم کے شرک میں سے ہے“

پس شریعتِ الہی کا التزام اور اس کے علاوہ ہر شریعت کو ترک کر دینا "لا الہ الا اللہ" کا لازمی تقاضہ ہے، واللہ المستعان۔

چوتھی فصل: عبادت: اس کے معنی اور شمولیت

۱- عبادت کا معنی:

عبادت کی اصل تذلل اور خضوع ہے۔

اور شریعت میں اس کی بہت سی تعریفات ہیں جن کا ایک ہی معنی بنتا ہے۔

اسی میں سے ایک یہ ہے کہ: ”أَنَّ الْعِبَادَةَ هِيَ طَاعَةُ اللَّهِ بِامْتِثَالِ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ عَلَى أَلْسِنَةِ رُسُلِهِ“ (عبادت اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کی اطاعت کرنا ہے جو اس نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم تک پہنچائے)

ایک اور تعریف یہ بھی ہے کہ: ”التَّذَلُّلُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ فَهِيَ: غَايَةُ الذَّلِيلِ لِلَّهِ تَعَالَى مَعَ غَايَةِ حُبِّهِ“ (اللہ تعالیٰ کے تذلل اختیار کرنا یعنی انتہائی درجہ کے تذلل کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت)

اور اس کی ایک جامع تعریف یہ ہے کہ: ”اسم جامع لكل ما يحبه الله ويرضاه؛ من الأقوال والأعمال الظاهرة والباطنة“ (عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جو ہر اس کام کو شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے، خواہ وہ اقوال ہوں یا اعمال اور چاہے ظاہری ہوں یا باطن)

اور یہ دل، زبان اور جوارح میں تقسیم ہوتی ہے۔ چنانچہ خوف، امید، محبت، توکل اور رغبت و رہبت دلی عبادتیں ہیں جبکہ تسبیح و تہلیل و تکبیر، اور دل و زبان سے حمد و شکر کرنادی اور زبانی عبادات ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، حج و جہاد بدنی اور دلی عبادات ہیں، اسی طرح دیگر اقسام کی عبادات ہیں جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سے صادر ہوتی ہیں اور یہ بہت ہیں۔

عبادت ہی وہ چیز ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات: ۵۶-۵۸)

(میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں، نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں، اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب سے کاروزی رساں بہت قوت والا اور زور آور ہے)

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جن و انس کی تخلیق کی حکمت ان کا عبادت ادا کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادت سے مستغنی ہے، اور یہ اس کے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے فقیر ہونے کی وجہ سے، پس وہ اس کی شریعت کے مطابق اس

کی عبادت بجا لاتے ہیں، اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار کیا تو وہ متکبر ہے۔ اور جس نے اس کی عبادت تو کی مگر اس کے ساتھ کسی غیر کی بھی عبادت کی تو وہ مشرک ہے۔ اور جس نے اس اکیلے ہی کی عبادت تو کی مگر اس کی بتائی ہوئی شریعت کے مطابق نہیں تو وہ بدعتی ہے۔ اور جس نے اس اکیلے کی عبادت اس کی بتلائی ہوئی شریعت کے مطابق کی تو وہ مومن و موحد ہے۔

۲۔ عبادت کی اقسام اور ان کی شمولیت:

عبادت کی بہت سے انواع و اقسام ہیں، اور یہ ہر اس ظاہری اطاعت کو شامل ہے جو زبان، جو ارح اور دل سے صادر ہوتی ہیں جیسے تسبیح، تہلیل، تلاوت قرآن، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، رشتہ داروں یتیموں مساکین اور مسافروں سے حسن سلوک، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت، اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی طرف انابت و رجوع، دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنا، اس کے حکم پر صبر کرنا اور اس کی قضاء و قدر پر راضی رہنا، اسی پر توکل کرنا، اس کی رحمت کی امید رکھنا اور اس کے عذاب سے ڈرنا، الغرض یہ مومن کے تمام تر تصرفات کو مشتمل ہے اگر اس کی ان سے نیت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا یا اس میں مدد لینا ہو۔ یہاں تک کہ جو عادات ہوتی ہیں اگر ان سے قصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری میں تقویٰ کا حصول ہو جیسے نیند، کھانا

پینا، خرید و فروخت، کمانا اور نکاح وغیرہ یہ سب عادات نیک نیتی کی وجہ سے عبادات بن جاتی ہیں، جن پر اسے ثواب حاصل ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ عبادت صرف معروف شعائر تک ہی محدود نہیں۔

پانچویں فصل: عبادت کی تحدید کے سلسلے میں غلط مفہام کا بیان

عبادات توقیفی ہیں یعنی: "أنه لا يشرع شيء منها إلا بدليل من الكتاب والسنة، وما لم يشرع يعتبر بدعة مردودة" (ان میں سے کوئی بھی عبادت مشروع (جائز) نہیں جب تک اس کی کتاب و سنت سے دلیل موجود نہ ہو، لہذا جو مشروع ثابت نہ ہو تو وہ بدعت و مردود (نا قابل قبول) ہے)۔ جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو مرد" (متفق علیہ)^(۱) (جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے) یعنی اس کا عمل نہ صرف اس کے منہ پر مار دیا جائے گا بلکہ اسے گناہ بھی ہوگا، کیونکہ یہ معصیت (نافرمانی) ہے ناکہ اطاعت۔ بعد ازیں مشروع عبادات کو بھی ادا کرنے

^(۱) البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأفضلية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۳۶۰۶)، ابن ماجه المقدمة (۱۳)، أحمد (۲۵۶/۶)۔

کے معاملے میں جو منہج سلیم ہے وہ تساہل و سستی اور تشدد اور غلو کے درمیان اعتدال کی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی (ﷺ) کو فرماتے ہیں:

﴿ فَاسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ﴾ (ہود: ۱۱۲)

(پس آپ (ﷺ) جس چیز کا آپ (ﷺ) کو حکم دیا گیا ہے اس پر استقامت کا مظاہرہ کیجئے اور وہ لوگ بھی جو آپ (ﷺ) کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے تجاوز نہ کرنا)

پس یہ آیتِ کریمہ عبادات ادا کرنے کے معاملہ میں اس منہج سلیم کا رسم الخط واضح کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ معتدل طریقے سے ان کی ادا کرنے میں استقامت کا مظاہرہ کیا جائے، کہ جس میں نہ افراط ہو اور نہ ہی تفریط، اور وہ شریعت کے مطابق ہو فرمایا ﴿ کَمَا أُمِرْتُ ﴾ (جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے) پھر اس کی اس قول کے ساتھ مزید تاکید فرمائی کہ ﴿ وَلَا تَطْغَوْا ﴾ (اور حد سے تجاوز نہ کرنا) طغیان کا معنی ہے: ”بجاوڑۃ الحد بالتشدد والتنعط“ (تشدد اور انتہا پسندی کے ساتھ حد سے تجاوز کرنا) اور یہی غلو کہلاتا ہے۔ جب نبی اکرم (ﷺ) کے تین صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اعمال کو کم تصور کرتے ہوئے کچھ باتیں کی، ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہیں کروں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ نماز پڑھتا رہوں گا اور رات کو نیند نہیں کروں گا، جبکہ

تیسرے نے کہا کہ: میں عورتوں سے کبھی نکاح نہیں کروں گا، اس پر رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”أما أنا فأصوم وأفطر وأتزوج النساء، فمن رغب عن سُنتي فليس مني“ (متفق علیہ)^(۱) (حالانکہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں) (تہجد بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں) اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جس کسی نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں)

آج بھی عبادت کے معاملہ میں دو متضاد گروہ ہیں۔

پہلا گروہ: جس نے عبادت کے مفہوم کو بہت محدود کر دیا ہے اور اس کی ادائیگی میں تساہل سے کام لیا یہاں تک کہ اس کی بہت سے انواع کو معطل ہی کر کے رکھ دیا، اور اسے فقط چند اعمال اور شعائر تک ہی محدود کر دیا جو مسجد میں ادا کئے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں گھر پر عبادت کا کوئی عمل دخل نہیں، نہ ہی آفس، مارکیٹ، سڑکوں، معاملات، سیاست، تنازعات میں فیصلے وغیرہ جیسے دیگر دائرہ حیات میں عبادت کا کوئی عمل دخل ہے۔

^(۱) البخاري النكاح (۴۷۷۶)، مسلم النكاح (۱۴۰۱)، النسائي النكاح (۳۲۱۷)، احمد (۲۸۵/۳)۔

بالکل مسجد کی فضیلت اپنی جگہ ہے، اور واجب ہے کہ اس میں پہنچ وقتہ نمازیں ادا کی جائیں مگر عبادت تو ایک مسلمان کی پوری زندگی کو شامل ہے؛ خواہ مسجد کے اندر ہو یا اس سے باہر۔

دوسرا گروہ: انہوں نے عبادات کی تطبیق میں تشدد سے کام لیتے ہوئے انتہا پسندی کی راہ اختیار کی۔ پس انہوں نے مستحبات کا درجہ بڑھا کر واجبات تک پہنچا دیا، اور بہت سے مباحات کو حرام قرار دے دیا، اور جس نے ان کے اس منہج کی مخالفت کی تو اسے گمراہ اور خطاکار قرار دے کر ان کے (صحیح) مفاہیم کو غلط قرار دیا۔ حالانکہ سب سے بہتر طریقہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کا طریقہ ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہیں جو دین میں نئے ایجاد کردہ ہیں۔

چھٹی فصل: صحیح عبادت کے ارکان

عبادت تین ارکان پر مرکوز ہوتی ہے: محبت، خوف اور امید۔

پس محبت تذلل کے ساتھ، اور خوف امید کے ساتھ، لازم ہے کہ عبادت میں ان امور کو یکجا کیا جائے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدہ: ۵۴)

(وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب قوم ہوگی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتی ہوگی)

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۶۵)

(اور ایمان والوں کو سب سے شدید ترین محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے)

اور اپنے رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾

(الانبیاء: ۹۰)

(یہ) انبیاء کرام علیہم السلام نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت و طمع اور ڈر و خوف کے ساتھ پکارتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے)

بعض سلف کا قول ہے: (جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی محض محبت میں عبادت کی تو وہ زندیق ہے (جیسے صوفی)، اور جس نے صرف امید پر عبادت کی تو وہ مرجئی ہے، اور جس نے محض خوف میں عبادت کی تو وہ حروری (خارجی) ہے،

جبکہ جس نے محبت، خوف اور امید کو یکجا کر کے عبادت کی تو وہ مومن و موحد ہے۔ یہ بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "العبودية" میں ذکر کی اور یہ بھی فرمایا کہ: (پس اللہ تعالیٰ کا دین اس کی عبادت، اطاعت اور اس کے لئے خضوع اختیار کرنا ہے، اور عبادت کا اصل معنی تذلل ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ہموار راستہ جو قدموں تلے روندنے کی وجہ سے دب کر ہموار ہو گیا ہو۔ لیکن جس عبادت کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے وہ تذلل کے معنی کے ساتھ ساتھ محبت کے معنی کو بھی شامل ہے۔ پس عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے غایت درجے کے تذلل کے ساتھ غایت درجے کی محبت۔ اگر کوئی شخص کسی انسان کے لئے جھکتا ہے دل میں اس کے خلاف بغض رکھتے ہوئے تو وہ اس کی عبادت کرنے والا نہیں کہلائے گا، اس کے برعکس اگر کسی چیز سے محبت کرتا ہے لیکن اس کے لئے خضوع و تذلل اختیار نہیں کرتا تب بھی وہ اس کی عبادت کرنے والا نہیں شمار ہوگا۔ جیسا کہ انسان اپنے بیٹے اور دوست سے محبت کرتا ہے۔ اسی لئے محض ان میں سے کسی ایک کا ہونا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کافی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ایک انسان کے نزدیک اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے بڑھ کر محبوب ہو، اور ہر چیز سے بڑھ کر عظیم ہو، بلکہ مکمل محبت و خضوع کا سوائے اللہ تعالیٰ کا کوئی مستحق نہیں۔۔۔)^(۱)

یہ ہیں وہ ارکانِ عبودیت جس کے گرد عبادت کا دار و مدار ہے، علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

وَعِبَادَةُ الرَّحْمَنِ غَايَةُ حُجَّتِهِ مَعَ ذُلِّ عَابِدِهِ هُمَا قُطْبَانِ
وَعَلَيْهِمَا فَلَكُ الْعِبَادَةِ دَائِرٌ مَا دَارَ حَتَّى قَامَتِ الْقُطْبَانِ
وَمَدَامَةُ بِالْأَمْرِ أَمْرُ رَسُولِهِ لَا بِالْهَوَى وَالنَّفْسِ وَالشَّيْطَانِ

(رحمن کی عبادت اس کے بندے کی کمالِ تذلل کے ساتھ اس سے غایت درجہ محبت کرنا ہے یہ دونوں ایسے ستون ہیں کہ جس پر فلکِ عبادت قائم ہے، اور اس کے امر کا دار و مدار حکمِ رسول (ﷺ) پر ہے نہ کہ ہوی، خواہشِ نفس یا شیطان (کے وساوس) پر)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کے دوران (گردش) جو کہ محبوب یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے لئے تذلل سے تعبیر ہے کو آسمان اور اس کے ستونوں کے دوران سے تشبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ عبادت کے فلک کا جو دوران (دار و مدار) ہے وہ رسول اللہ (ﷺ) کے حکم پر ہے اور جو شریعت آپ (ﷺ) نے بیان فرمائی ناکہ ہویِ نفس کی پیروی پر ہے، جس چیز کا حکم خواہشِ نفس اور شیطان دے وہ عبادت نہیں ہو سکتی۔ جس چیز کو رسول اللہ (ﷺ) نے

مشروع فرمایا وہی چیز فلکِ عبادت میں گردش کر سکتی ہے جس میں بدعت، خرافات، اہوا پرستی اور آباء و اجداد کی تقلید کی کوئی گنجائش نہیں۔

توحیدِ اسماء و صفات

یہ مندرجہ ذیل فصول پر مشتمل ہے:

اولاً: اثباتِ اسماء و صفات کے بارے میں کتاب و سنت اور عقلی دلائل۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بارے میں اہلسنت والجماعت کا منہج۔

ثالثاً: جو لوگ تمام اسماء و صفات کا یا ان میں سے بعض کا انکار کرتے ہیں ان کا رد۔

اولاً: اثباتِ اسماء و صفات کے بارے میں کتاب و سنت اور عقلی دلائل

۱۔ قرآن کریم سے دلائل:

اس بات کا پہلے بیان گزر چکا ہے کہ توحید تین اقسام میں تقسیم ہوتی ہے:

توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات، پھر اس کی پہلی دو اقسام یعنی

توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کے بارے میں جملہ دلائل بیان کئے۔ اب ہم اس کی تیسری قسم یعنی توحید اسماء و صفات کے بارے میں دلائل بیان کریں گے۔

پس کتاب و سنت کے یہ کچھ دلائل ملاحظہ ہوں، قرآن کریم کے دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَائِهِ�ْ

سَیَجْزُوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

(اور اچھے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں سو انہی ناموں سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے لئے اسماء (ناموں) کا اثبات فرمایا ہے، اور یہ بھی خبر دی کہ وہ حسنی (اچھے) ہیں، پھر ان کے ذریعہ دعاء کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، جیسا کہ پکارا جائے یا اللہ، یا رحمن، یا رحیم، یا حی یا قیوم، یا رب العالمین وغیرہ۔ ساتھ ہی جو لوگ اس کے اسماء کے بارے میں کج روی اختیار کرتے ہیں انہیں وعید سنائی ہے یعنی جو اس کے اسماء کے بارے میں حق بات سے انحراف کرتے ہیں خواہ ان کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنے کی صورت میں ہو یا اس کے صحیح معنی

سے ہٹ کر غلط تاویل کرنے کی صورت میں، یا پھر ان کے علاوہ جو الحاد کی مختلف اقسام ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ وعید سنائی ہے کہ وہ ان کے اس برے فعل کی ضرور انہیں سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (طہ: ۸)

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں)

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

(الحشر: ۲۲-۲۴)

(وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، چھپے کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں، وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اسی کے لئے (نہایت) اچھے

نام ہیں، ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں اس کی پاکی و تسبیح بیان کرتی ہے،
اور وہی غالب حکمت والا ہے)

پس یہ آیات اللہ تعالیٰ کے اسماء کے اثبات پر دلالت کناں ہیں۔

۲۔ سنت نبوی (ﷺ) سے اثبات اسماء باری تعالیٰ کے دلائل:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (متفق علیہ) ^(۱) (اللہ تعالیٰ کے نانوں ۹۹ یعنی ایک کم سو ۱۰۰) نام ہیں، جس نے ان کا احصاء کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا) اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اس عدد میں محصور نہیں ہیں جس کی دلیل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ رَبِيعَ قَلْبِي۔۔۔“ ^(۲) (اے اللہ! میں تیرے ہر اس نام کے واسطے سے

^۱ البخاری الشروط (۲۵۸۵)، مسلم الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار (۲۶۷۷)، الترمذی الدعوات (۳۵۰۷)، ابن ماجہ الدعاء (۳۸۶۱)، أحمد (۲۶۷/۲)۔

^۲ رواہ أحمد (۳۹۱/۱)۔ فی المسند، وصحہ ابن حبان۔ پس یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اسماء کے کسی خاص عدد میں محصور ہونے کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے نانوں (۹۹) اسماء والی حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے ان نانوں ناموں کی تعلیم حاصل کی اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور

سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا ہے، یا پھر اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، یا پھر اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے، یا پھر تو نے اسے اپنے پاس صیغہ غیب میں رکھا ہے کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار بنادے۔۔۔)

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت کو متضمن ہوتا ہے جیسا کہ اسم "علیم" صفتِ علم پر دلالت کرتا ہے، اور "حکیم" صفتِ حکمت پر دلالت کرتا ہے، "سمیع و بصیر" صفتِ سماعت و بصارت پر دلالت کناں ہیں۔ اسی طرح تمام اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی نہ کسی صفت پر دلالت کناں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

(الاخلاص)

(آپ ﷺ) کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہو نہ وہ کسی سے پیدا ہو، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ: ”كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُؤْمَهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءَ ، فَكَانَ كَلِمًا افْتَتَحَ سُورَةَ يَقْرَأُ بِهَا لَهْمٌ فِي الصَّلَاةِ مَا يَقْرَأُ بِهِ افْتَتَحَ بِ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ حَتَّى يَفْرَغَ مِنْهَا ، ثُمَّ كَانَ يَقْرَأُ سُورَةَ أُخْرَى مَعَهَا ، وَكَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ ، فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ فَقَالُوا : إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهَذِهِ السُّورَةَ ، ثُمَّ لَا تَرَى أَنَّهَا تَجْزِيكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِالْأُخْرَى ! فِيمَا أَنْ تَقْرَأَ بِهَا ، وَإِمَّا أَنْ تَدْعَهَا وَتَقْرَأَ بِأُخْرَى ، فَقَالَ : مَا أَنَا بِتَارِكِهَا ، إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أُوْمَكُمْ بِذَلِكَ فَعَلْتُ ، وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ ، وَكَانُوا يَرُونَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ ، وَكَرِهُوا أَنْ يُؤْمَهُمْ غَيْرُهُ ، فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَخْبَرُوهُ الْخَبْرَ . فَقَالَ : يَا فُلَانُ ، مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ ؟ وَمَا حَمَلَكَ عَلَى لُزُومِ هَذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ ؟ قَالَ : إِنِّي أُحِبُّهَا ، قَالَ : حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ“^(۱) (صحیح بخاری)

(انصار میں سے ایک شخص مسجد قباء میں ان کی امامت کروایا کرتا تھا، وہ جب کبھی بھی نماز میں کوئی سورۃ تلاوت کرتا تو اس سے پہلے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پوری سورۃ ضرور تلاوت کرتا، پھر اس کے بعد کوئی دوسری سورۃ اس کے ساتھ تلاوت کر لیتا، اور وہ اپنی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتا تھا، چنانچہ اس بارے میں اس کے ساتھیوں نے دریافت کرتے ہوئے کہا: کہ آپ اپنی ہر رکعت میں اس سورۃ کی

^۱ الترمذی فضائل القرآن (۲۹۰۱) ، الدارمی فضائل القرآن (۳۴۳۵)۔

تلاوت سے شروع کرتے ہیں اور پھر اسے گویا کہ ناکافی سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ دوسری سورۃ بعد میں تلاوت کرتے ہیں! آپ یا تو محض اس سورۃ ہی کی تلاوت کر لیا کریں، یا پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسری کی کیا کریں۔ تو اس نے جواب دیا کہ: میں تو اسی طرح سے آپ کی امامت کرتا رہوں گا اگر آپ کو پسند ہے تو صحیح اور اگر ناپسند ہے تو میں تمہاری امامت چھوڑ دیتا ہوں۔ حالانکہ وہ سب اسے اپنے میں سے سب سے افضل تصور کرتے تھے اور اس کے علاوہ کسی اور کی امامت کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ پس جب وہ نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ (ﷺ) کو یہ ماجرا سنایا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے فلاں! تجھے کس بات نے تیرے ساتھیوں کی خواہش پر عمل کرنے سے روکا ہے؟ اور کس چیز نے تجھے ہر رکعت میں اس سورۃ کو لازم کرنے پر ابھارا ہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے اس سے محبت ہے۔ تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: تمہاری اس سے محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک شخص کو ایک سریہ^(۱) کے لئے روانہ فرمایا جو ان کی نمازوں میں امامت کروایا کرتا تھا تو وہ اپنی اپنی ہر رکعت کی تلاوت کو ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پر ختم کرتا، چنانچہ جب وہ واپس لوٹے تو اس بات کا ذکر انہوں نے نبی اکرم (ﷺ) کے سامنے کیا، جس پر آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”سلوہ: لآی شیء یفعل ذلک؟“ (اس سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟) پس انہوں نے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ: ”لأنها صفة الرحمن، وأنا أحب أن أقرأ بها“ (کیونکہ یہ رحمن کی صفت ہے، اسی لئے مجھے محبوب ہے کہ میں اس کی تلاوت کروں) اس پر نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: ”أخبروه أن الله تعالى يحبها“^(۲) (بخاری) (اسے خبر دے دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتا ہے) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل سورۃ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اس کا چہرہ مبارک ہے، فرمایا:

﴿وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن: ۲۷)

^۱ وہ جنگ جس میں رسول اللہ (ﷺ) بنفس نفیس شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا ہو اسے "سریہ" کہا جاتا ہے جبکہ جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خود شریک ہوں اسے "غزوہ" کہا جاتا ہے۔ (ط ع)

^۲ البخاری التوحید (۶۹۴۰)، مسلم صلاة المسافرين وقصرها (۸۱۳)، النسائي الافتتاح (۹۹۳)۔

(صرف تیرے رب کا چہرہ (اور اس کی ذات) جو جلالت و اکرام والا ہے باقی رہ جائے گا)

اور اس کے دو دستِ مبارک ہیں، فرمایا:

﴿لَمَّا خَلَقْتُ بَيْدَيَّ﴾ (ص: ۷۵)

((اے ابلیس تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا) جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا)

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں)

((یہود کے جھوٹ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے اور کشادہ ہیں)

اور وہ راضی ہوتا ہے، محبت فرماتا ہے، غصہ فرماتا ہے وغیرہ جو صفات بھی اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول (ﷺ) نے اس کے لئے ثابت فرمائی ہیں۔

۳۔ شریعت سے ثابت شدہ اسماء و صفات کے اثبات کے لئے عقلی دلائل:

۱۔ یہ عظیم مخلوقات اپنی تنوع، اختلاف، اور اپنے ادائیگی مصالحِ حیات کے انتظام، اور اپنے مقرر کردہ نظام کی پیروی میں دلالت کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کی قدرت، علم و حکمت اور ارادے و مشیت پر۔

۲- انعام و احسان فرمانا، مشکل کشائی و حاجت روائی فرمانا یہ چیزیں دلالت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جود و کرم پر۔

۳- نافرمانوں سے عقاب و انتقام لینا دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ان پر غصہ ہونے اور ناپسند کرنے پر۔

۴- فرمانبرداروں کا اکرام کرنا اور انہیں ثواب عطا کرنا دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ان سے رضامندی اور محبت پر۔

ثانیاً: اسماء و صفاتِ الہیہ کے بارے میں اہل سنت و الجماعت کا منہج

سلف اور ان کی اتباع کرنے والے اہل سنت و الجماعت کا اسماء و صفات کے بارے میں یہ منہج ہے کہ: "إثباتُ أسماءِ اللہ و صفاتہ کما وردت فی الكتاب والسنة" (اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا اسی طرح سے اثبات کرنا جیسا کہ وہ کتاب و سنت میں وارد ہوئے ہیں) اور انہوں نے اپنے منہج کی بنیاد مندرجہ ذیل قواعد پر رکھی ہے:

۱- وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا اثبات کتاب و سنت میں وارد ہونے والے ان کے ظاہر پر کرتے ہیں، جن معانی پر وہ الفاظ دلالت کرتے ہیں اسے ظاہر پر رکھنا اور تاویل نہ کرنا، ان الفاظ اور ان کی دالالتوں کو ان کے اصل مقام سے تحریف نہ کرنا۔

۲- اس کی مخلوقات کی مشابہت سے نفی کرنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

(اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

۳- وہ اسماء و صفات کے اثبات کے بارے میں کتاب و سنت سے تجاوز نہیں کرتے لہذا جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ثابت فرمایا اسے ثابت کرتے ہیں، جس کی نفی فرمائی اس کی نفی کرتے ہیں، اور جس پر سکوت اختیار فرمایا اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں۔

۴- وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسماء و صفات کے بارے میں جو نصوص ہیں وہ محکمات میں سے ہیں جن کا معنی معلوم ہے اور اس کی تفسیر کی جاتی ہے، یہ متشابہات میں سے نہیں کہ وہ اس کا معنی بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد (تفویض) کرتے ہوں، جیسا کہ ان کی طرف جھوٹ منسوب کرنے

والوں کا دعویٰ ہے، یا پھر وہ ان کے منہج سے واقف ہی نہیں جیسا کہ موجودہ دور کے بعض قلم کاروں اور مؤلفین کا حال ہے۔

۵۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کو اس کے سپرد (تفویض) کرتے ہیں، اور اس بارے میں کھوج نہیں لگاتے۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات یا بعض کا انکار کرنے والوں پر رد جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار کرتے ہیں وہ تین اقسام کے ہیں:

۱۔ الجہمیہ: یہ جہم بن صفوان^(۱) کے پیروکار ہیں، یہ لوگ تمام اسماء و صفات کے منکر ہیں۔

جہم بن صفوان: ابو محرز الراسی ان کے مولا السمرقندی ہیں، کاتب و اہل الکلام میں سے ہیں گمراہوں اور جہمیوں کے سردار ہیں۔ بڑے ذہین و مناظر تھے، امیر حارث بن سریج التمیمی کے لئے لکھتے تھے۔ وہ صفات کے منکر تھے جس کے ذریعہ سے اپنے زعم میں وہ اللہ تعالیٰ کو پاک قرار دیتے تھے۔ اور خلق قرآن کا عقیدہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر موجود ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وہ مقاتل سے تجسیم کے بارے میں اختلاف رکھتے تھے" اور وہ کہتے تھے کہ "ایمان محض دل کے عقیدے کا نام ہے اگرچہ زبان سے کفر ہی کیوں نہ بکا جائے" کہا جاتا ہے کہ سلم بن احوز نے جہم کو اس بات پر قتل کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا انکار کیا کرتا تھا۔

۲- المعتزلہ: یہ واصل بن عطاء^(۱) کے پیروکار ہیں؛ جس نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے اعتزال (علیحدگی) اختیار کیا تھا۔ یہ لوگ اسماء کو اس طور پر ثابت کرتے ہیں کہ یہ مجرد الفاظ ہیں جن کے کوئی معانی نہیں، اور تمام صفات کے منکر ہیں۔

۳- اشاعرہ^(۲) اور ماتریدیہ^(۳) اور جو ان کے پیروکار ہیں: یہ لوگ اسماء کو ثابت کرتے ہیں اور ساتھ ہی بعض صفات کو بھی، البتہ بعض صفات

۱ واصل بن عطاء بہت فصیح اللسان تھا مگر حرف "ر" ادا نہیں کر پاتا تھا۔ اس کے باوجود وہ اتنی فصاحت سے بولتا تھا کہ "ر" سے اجتناب کرتے ہوئے بڑے اشعار اور تقاریر کر جاتا تھا۔ اس کا اصل نام عمرو بن عبید تھا معتزلہ کا بانی۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا تھا جب اس نے یہ کہا کہ ایک فاسق و گنہگار مسلمان نہ مومن ہوتا ہے اور عمرو نے اس کا ساتھ دیا، اور ان دونوں نے امام حسن بصری کی مجلس سے اعتزال (جدائی) اختیار کر لی، جس کے بعد سے یہ لوگ معتزلہ کہلائے جانے لگے۔

۲ یہ امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب اہل سنت کی جانب رجوع کرنے سے پہلے کے مذہب کی اتباع کرتے ہیں جو صفات کی تاویلات پر مبنی تھا، حالانکہ امام صاحب نے اپنے اس باطل مذہب سے قبل از وفات رجوع فرمایا لیا تھا اور صحیح سلفی موقف پر کتب بھی تصنیف فرمائیں جیسے "الابانۃ فی اصول الدیانۃ" اور "مقالات الاسلامیین" وغیرہ، مگر جو آج ان کی جانب منسوب ہیں وہ ان کے اسی قدیم باطل مذہب کے پیروکار ہیں، لہذا ان کا انتساب امام صاحب کی طرف درست نہیں۔ (ط ع)

۳ یہ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں، ان کا مذہب بھی تقریباً اشعری مذہب جیسا ہے کہ صفات کی تاویلات کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں اکثریت احناف انہی اشعری و ماتریدی مذہب کی پیروکار ہیں۔ ماتریدیت کے رد پر بہترین

کے انکاری ہیں، اور وہ شبہ جس پر ان تمام نے اپنے مذاہب کی بنیاد رکھی ہے وہ ان کے زعم میں مخلوق سے خالق کی تشبیہ ہونے سے راہ فرار اختیار کرنا ہے، کیونکہ مخلوق بھی بعض ان اسماء سے موسوم ہیں یا پھر ان صفات سے متصف ہیں۔ لہذا الفاظ، صفات اور معانی میں اشتراک ہونے سے اس کی حقیقت میں بھی اشتراک لازم آتا ہے، اور یہ ان کی نظر میں خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا ہے، اس وجہ سے یہ دو میں ایک بات کی طرف مجبور ہوئے:

ا۔ یا تو اسماء و صفات کے بارے میں نصوص کی اس کے ظاہر سے تاویل کی جائے، جیسا کہ وجہ (چہرے) کی تاویل ذات سے کرنا اور ید (ہاتھ) کی تاویل نعمت سے کرنا وغیرہ۔

ب۔ یا پھر ان نصوص کے معانی کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا (تفویض کرنا)، چنانچہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ہی اس کی مراد کا علم ہے؛ جبکہ دل میں اس کے ظاہر کا اعتقاد نہیں رکھتے^(۱)۔

کتاب "الماتریدیۃ" از شیخ شمس الدین سلفی افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔ (ط ع)
 'حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور و معروف قول ہے جو "عقیدہ طحاویہ" وغیرہ کتب میں بھی درج ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی صفت استواء علی

سب سے پہلے جن لوگوں سے اسماء و صفات کا انکار کرنا ثابت ہے وہ مشرکین عرب تھے، کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ﴾ (الرعد: ۳۰)

(اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ آپ انہیں ہماری طرف سے جو وحی آپ پر اتری ہے پڑھ کر سنائیں، یہ رَحْمَن کے منکر ہیں)

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ جب قریش نے نبی کریم (ﷺ) کو رَحْمَن کا ذکر کرتے ہوئے سنا تو اس کا انکار کیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ﴾
(یہ رَحْمَن کے منکر ہیں)

العرش (اپنے عرش عظیم پر بلند ہونا) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ایک اصولی قاعدہ بیان فرمادیا: [استواء (کا معنی) معلوم ہے، لیکن اس کی (حقیقی) کیفیت مجہول ہے، اس پر (اس کے معنی کے ساتھ) ایمان لانا واجب ہے، اور اس (کی کیفیت) کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ (ط ع)

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا؛ جب کاتب نے اس صلح کو لکھا جو رسول اللہ (ﷺ) اور قریش کے درمیان ہوئی تو اس میں ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھا، اس پر قریش بول اٹھے کہ ہم تو رحن کو نہیں جانتے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت فرمایا کہ رسول اللہ (ﷺ) سجدے میں فرمایا کرتے تھے: ”یا رحن یا رحنیم“ جس پر مشرکین نے کہا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ ایک ہی (رب) کو پکارتا ہے حالانکہ یہ تو دو کو پکار رہا ہے (یعنی رحن و رحیم اور اللہ) جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ اَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ﴾

(الاسراء: ۱۱۰)

(کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اسْجُدْ لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ﴾ (الفرقان: ۶۰)

(ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں

رحن ہے کیا؟)

پس یہ مشرکین ہی جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ (ماتریدیہ وغیرہ) اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ان اسماء و صفات کو جو اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول (ﷺ) نے اس کے لئے ثابت فرمائے ہیں کی نفی کرتا ہے کے سلف ہیں، تو یہ کتنے ہی برے سلف ہیں اتنے برے خلف کے۔

ان کا رد مختلف صورتوں میں کیا جاسکتا ہے:

پہلی صورت:

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اور اس کے رسول (ﷺ) نے اس کے لئے اسماء و صفات کو ثابت فرمایا ہے چنانچہ ان سب کی یا ان میں سے بعض کی نفی کرنا اس چیز کی نفی کرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ثابت فرمایا ہے، لہذا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی کھلی مخالفت کرنا ہے۔

دوسری صورت:

ان صفات کا یا بعض اسماء کا مخلوق میں پایا جانا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں مشابہت پائی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اس کی شایانِ شان اسی کے ساتھ مخصوص ہیں، اور مخلوق کے اسماء و صفات اس کی حیثیت کے مطابق ہیں، جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی ذات کی مانند نہیں اسی

طرح سے اس کے اسماء و صفات مخلوق کے اسماء و صفات کے قطعاً مشابہ نہیں۔ پس اسم (نام) اور عام معنی میں اشتراک ہونا اس کی حقیقت میں اشتراک کو مستلزم نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علیم و حلیم قرار دیا ساتھ ہی اپنے بعض بندوں کو بھی علیم اور حلیم کہا جیسے فرمایا:

﴿وَبَشِّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾ (الذاریات: ۲۸)

(اور انہوں (فرشتوں) نے (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی) یعنی اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت دی، اور دوسرے کے بارے میں فرمایا:

﴿فَبَشِّرْهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ (الصافات: ۱۰۱)

(تو ہم نے انہیں ایک حلیم بچے کی بشارت دی)

یعنی اسماعیل علیہ السلام کی، چنانچہ نہ یہ علیم (مخلوق) اس العلیم (اللہ) کی طرح ہے اور نہ ہی یہ حلیم (مخلوق) اس الحلیم (اللہ) کی طرح ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو سمیع و بصیر قرار دیا، فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (النساء: ۵۸)

(بیشک اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے)

ساتھ ہی اپنے بعض بندوں کو سمیع و بصیر کہا، جسے فرمایا:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

(الدھر/الانسان: ۲)

(بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا اور اس کو سمیع

و بصیر بنایا)

یہاں بھی سمیع اس السمع جیسا نہیں اور نہ ہی بصیر اس البصیر جیسا ہے۔

اسی طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ نے رؤف و رحیم قرار دیا:

﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحج: ۶۵)

(بیشک اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا ہی رؤف و رحیم ہے)

اور اپنے بعض بندوں کو بھی رؤف و رحیم کہا، جیسا کہ نبی کریم (ﷺ) کے بارے میں فرمایا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبة: ۱۲۸)

(تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ رؤف و رحیم ہیں)

پس یہ رؤف بھی اس الرؤف کی طرح نہیں اور نہ ہی یہ رحیم اس الرحیم کی طرح ہے۔

اسی طرح اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی صفات سے متصف فرمایا جن کی مثل اپنے بعض بندوں کے بارے میں بھی فرمائی، مثلاً:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵)

(وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علم کی صفت سے متصف فرمایا، ساتھ ہی اپنے بندوں کو بھی علم کی صفت سے متصف فرمایا ہے:

﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: ۸۵)

(اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے)

اور فرمایا:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ (یوسف: ۷۶)

(اور ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے)

اور فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ (القصاص: ۸۰)

(ان لوگوں نے کہا کہ جنہیں علم دیا گیا تھا)

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قوت کی صفت سے متصف فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (الحج: ۴۰)

(بیشک اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے)

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (الذاریات: ۵۸)

(بیشک اللہ تعالیٰ ہی تور زاق اور قوت متین والا ہے)

ساتھ ہی اپنے بندوں کو بھی قوت کی صفت سے متصف فرمایا:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ

ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾ (الروم: ۵۴)

(اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا فرمایا پھر اس کمزوری کے بعد قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد کمزوری اور بڑھا پایا)
اس کے علاوہ اور دیگر آیات۔

چنانچہ یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہیں، اور مخلوق کے اسماء و صفات اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے، لہذا محض نام اور اس کے معنی میں اشتراک اور یکسانیت کی وجہ سے اس کی حقیقت میں اشتراک لازم نہیں آتا؛ کیونکہ دونوں موسوم اور موصوف (خالق اور مخلوق) میں عدم مماثلت ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے الحمد للہ۔

تیسری صورت:

جس ذات کی صفاتِ کمال نہ ہوں وہ کبھی الہ (معبود) نہیں ہو سکتی، اسی لئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے فرمایا:

﴿لَمْ تَعْبُدْ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ﴾ (مریم: ۴۲)

(ایسوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو سمع و بصیر نہیں یعنی نہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو رد فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی:

﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا﴾ (الاعراف: ۱۴۸)

(کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا)

چوتھی صورت:

صفاتِ الہیہ کا اقرار کمال ہے اور اس کی نفی کرنا نقص ہے، کیونکہ جس کی صفات نہ ہوں یا تو وہ معدوم ہوتا ہے یا پھر ناقص، جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک و منزہ ہے۔

پانچویں صورت:

صفات کے بارے میں وارد ظاہر الفاظ کی تاویل کرنا جس پر کوئی دلیل نہ ہو باطل ہے، اور اس کی (حقیقت کے علاوہ) معنی کی بھی تفویض (اللہ تعالیٰ کے سپرد) کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ہم سے ایسے کلام سے مخاطب ہوا جس کا معنی ہی ہمیں نہیں معلوم، مگر ساتھ ہی ہمیں پورے قرآن پر

غور و تدبر کا حکم فرمایا، پس کیسے ہمیں اس پر غور و تدبر کا حکم ارشاد فرمایا حالانکہ ہم اس کا معنی ہی نہیں سمجھتے؟

چنانچہ یہ بات واضح ہوئی کہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا اثبات کیا جائے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے مگر ساتھ ہی مخلوق سے مشابہت کی نفی کی جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

(اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) ہے)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے کسی بھی چیز کی مماثلت و مشابہت کی نفی فرمائی، ساتھ ہی اپنے لئے صفات سماعت و بصارت کو ثابت فرمایا^(۱)، جو دلیل ہے اس بات کی کہ صفات کا اثبات کرنے سے مخلوق سے مشابہت لازم نہیں آتی، اور یہ کہ صفات کے اثبات کے ساتھ مشابہت کی نفی واجب ہے، اور یہی معنی ہے اہل

^۱ جس طرح سے کلمہ "لا الہ الا اللہ" توحید الوہیت میں اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں نفی اور اثبات ہے، اسی طرح سے یہ آیت توحید اسماء و صفات کے باب میں اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں پہلے "لا الہ" (کوئی معبود حقیقی نہیں) کی طرح نفی ہے "لیس کمثلہ شیء" (اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز نہیں) اور پھر "الا اللہ" (سوائے اللہ تعالیٰ کے) کی طرح اثبات ہے "وہو السميع البصير" (اور وہ سمیع و بصیر ہے)۔ (ط ع)

سنت والجماعت کے اس قول کا جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی نفی و اثبات کے بارے میں وہ کہتے ہیں: "اثبات بلا تمثیل و تنزیہ بلا تعطیل" (بلا مشابہت کے اثبات کرتے ہیں اور بلا تعطیل (انکار) کے تنزیہ (نفی) کرتے ہیں)

تیسرا باب

انسانی زندگی میں انحراف

اور کفر والحاد اور شرک و نفاق کا تاریخی دور

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی۔

فصل اول: انسانی زندگی میں انحراف

فصل دوم: شرک، اور کی تعریف اور اقسام

فصل سوم: کفر، اس کی تعریف اور اقسام

فصل چہارم: نفاق، اس کی تعریف اور اقسام

فصل پنجم: جاہلیت، فسق، ضلالت، ارتداد ان کی حقیقت اور اقسام و

احکام کا بیان۔

فصل اول

انسانی زندگی میں انحراف

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور ان کے لئے رزق کے تمام وسائل مہیا فرمادیئے ہیں تاکہ وہ یکسو ہو کر عبادت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ- مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا- إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْبَتِّينُ﴾
(الذاریات: ۵۶-۵۸)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں، میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور و مضبوط ہے)

نفسِ انسانی کو اگر اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ضرور اللہ کی الوہیت کا اقرار کرے گا۔ اس کی ذاتِ بابرکت سے محبت کرے گا، اس کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا، لیکن جب اسے انسان و جنات کے شیطان صفت افراد و رغلّاتے ہیں، اپنی چکنی چپڑی اور دھوکہ کی باتوں سے بہکاتے ہیں تو اس کے اندر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اسے صراطِ مستقیم سے ہٹا کر غلط

راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔ چونکہ توحید انسانی فطرت میں ودیعت (موجود) ہے۔ اور شرک ایک عارضی و نووارد چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا

تَبْدِيلَ لِمَ خَلَقَ اللَّهُ ۖ﴾ (الروم: ۳)

(تو تم یکسو ہو کر دین (اللہ کے راستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ، (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) اللہ کی بتائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا)

رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”کل مولود یولد علی الفطرة فاعلموا ہودا، یساراً، أو یمجسانہ“^(۱) (ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں)

لہذا اولادِ آدم کی اصلیت توحید ہے۔ اور سیدنا آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے عہد سے صدیوں بعد تک اسلام ہی ان کا دین رہا ہے: ارشادِ بانی ہے:

^۱ اس حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ

وَمُنذِرِينَ﴾ (البقرة: ۲۱۳)

((پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے)

صحیح عقیدہ کی عمارت میں شرک و انحراف کی دراڑ پہلی مرتبہ قوم نوح میں پڑی، اس لحاظ سے نوح علیہ السلام کو پہلا رسول کہا گیا۔
ارشادِ بانی ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾

(النساء: ۱۶۳)

((اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان سے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ”کان بین آدم ونوح علیہما السلام عشرة قرون؛ کلهم علی الاسلام“ (سیدنا نوح اور سیدنا آدم علیہما السلام کے درمیانی عہد میں دس نسلیں گزریں۔ سب کی سب اسلام (توحید) پر تھیں)۔
علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”وهذا القول هو الصواب قطعاً؛ فإن قراءة أبي

بن کعب - یعنی: فی آية البقرة: ﴿فَاخْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ﴾ (یہ) قول قطعی طور پر صحیح ہے۔ سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت اُبی بن کعب کی قراءت میں یوں آئی ہے "لوگوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا" اور آپ ﷺ نے سورہ یونس کی اس آیت سے اس قراءت کو ثابت فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾ (یونس: ۱۹)

(اور) (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی امت (یعنی ایک ہی ملت)

توحید پر) تھے، پھر اختلاف کر کے جدا جدا ہو گئے)

اس سے موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا سبب اس صحیح دین میں لوگوں کا اختلاف تھا جس پر وہ قائم تھے۔ جیسے کہ ملک عرب کے لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لُحی الخزاعی نامی شخص آیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بدل دیا، عام طور پر پورے عرب میں اور خاص طور پر حجاز میں بتوں کو لا کر بھر دیا، لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کی عبادت میں لگ گئے۔ اور اس مقدس شہر اور اس کے قرب و جوار کے شہروں میں شرک پھیل گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد (ﷺ) کو مبعوث فرمایا، آپ (ﷺ) نے لوگوں کو توحید طرف بلایا۔ ملت ابراہیمی کی اتباع و پیروی کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کما حقہ جہاد کیا یہاں

تک کہ عقیدہ توحید لوگوں کی زندگی میں لوٹ آیا۔ ملتِ ابراہیمی کا احیا ہوا۔ بت توڑے گئے۔ اور اللہ نے اس نبی امی کے ذریعہ اپنے دین کو مکمل فرمایا اور تمام جہانوں پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی، اور اسی منہج توحید و رسالت پر اس امت کا ابتدائی دور اور اس دور کے لوگ قائم رہے۔ پھر آخری صدیوں میں جہالت عام ہو گئی بہت سے دیگر مذاہب کے اثرات اس میں داخل ہو گئے۔ پھر ضلالت کی طرف بلانے والوں کے کرتوت اور اولیاء و بزرگوں کی قبروں پر پختہ عمارتوں کی وجہ سے شرک و بدعت امت کے بہت سارے افراد میں عام ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے بجائے بہت سے مزارات عبادت کے لئے چن لئے گئے۔ ان کی بارگاہ میں منت و سماجت، دعا و استغاثہ اور نذر و نیاز شروع ہو گئی۔ پھر اس طرح کے شرکیہ اعمال کرنے والوں نے اپنے اعمال کی توضیح یہ کی کہ یہ بزرگوں کی عبادت نہیں ہے بلکہ ان سے توسل اور ان کی محبت کا اظہار ہے۔ ایسی تاویل کرتے وقت یہ لوگ بھول گئے کہ پہلے مشرکوں کے بھی اپنے شرکیہ اعمال کی یہی دلیل ہوا کرتی تھی جن کا کہنا ہوتا تھا:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ۳)

((وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اسی لئے کہ یہ

ہم کو اللہ کا مقرب بنادیں)

اس طرح کے شرکیہ اعمال کے باوجود جن میں اکثر لوگ ہر زمانہ میں مبتلا رہے ہیں عام طور پر مشرکوں کی اکثریت توحید ربوبیت کی قائل رہی ہے ان کا شرک صرف عبادات ہی میں منحصر رہا ہے۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف: ۱۰۶)

(اور یہ اکثر اللہ پر ایمان رکھ کر بھی شرک کرتے ہیں)

بنی نوع انسان میں سے رب کے وجود کا انکار بہت ہی کم لوگوں نے کیا ہے جیسے فرعون، ملحدین، دہرین اور عصر حاضر کے کمیونسٹ۔ پھر بھی ان کے انکار کی وجہ ہٹ دھرمی اور تکبر ہے ورنہ اندرونی طور پر یہ بھی رب کے وجود کے قائل ہیں۔ جیسا کہ فرعونیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾

(النمل: ۱۴)

(اور انہوں نے بے انصافی اور غرور میں آکر ان باتوں سے انکار کیا)

حالانکہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے)

اس طرح کے لوگوں کی عقل و آگہی ضرور گواہی دیتی ہے کہ ہر مخلوق کا کوئی نہ کوئی خالق ہوتا ہے اور ہر موجود شے کے لئے کوئی نہ کوئی موجد (ایجاد کرنے والا) ہوتا ہے، اور اس کائنات کے اس منظم و مستحکم نظام کو کوئی مدبر، حکیم، بے پناہ قدرت

رکھنے والا اور ہمہ گیر علم رکھنے والا چلا رہا ہے۔ اس بات کا انکار وہی کر سکتا ہے جو عقل سے عاری ہو یا ایسا ہٹ دھرم ہو جس نے اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ اپنے نفس کو بے مصرف بنا دیا ہے۔ جس کا کسی معاملہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

فصل دوم

شرک، اس کی تعریف اور اس کے اقسام

شرک کی تعریف:

شرک کی تعریف: "جعل شريك لله تعالى في ربوبيته وإلهيته" (شرک نام ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کا)، اور غالباً شرک اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کیا جاتا ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو پکارتا ہے، بعض عبادتوں کو اس کے لئے ادا کرتا ہے، جیسے نذر و نیاز، خوف و امید، محبت و تعظیم وغیرہ۔

مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے شرک سب سے بڑا گناہ ہے:

۱۔ الٰہی صفات و خصائص میں مخلوق کو خالق کے مشابہ قرار دینا، اس لئے کہ خالق کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنے کا صاف مطلب ہے مخلوق کو خالق کے برابر قرار دینا، یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔
ارشادِ بانی ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)
(شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے)

ظلم کہتے ہیں: ”وضع الشيء في غير موضعه“ (کسی چیز کو اس کے اصل مقام و محل سے ہٹا کر دوسری جگہ پر رکھنا)۔ لہذا جس نے غیر اللہ کی عبادت کی بے شک اس نے عبادت کو اپنی اصل جگہ سے ہٹا کر غیر محل میں استعمال کیا اور ایک غیر مستحق کی طرف پھیر دیا، اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ شرک کے بعد جو توبہ نہیں کرے گا اس کی مغفرت نہیں ہوگی، ارشادِ بانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

(النساء: ۴۸)

(اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ اس نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے اور یہ کہ مشرک ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں پڑا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ

النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (البائتہ: ۷۲)

((اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں)

۴۔ شرک انسان کے تمام گزشتہ اعمال کو ختم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام: ۸۸)

(اور اگر وہ لوگ (انبیاء کرام بھی) شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۵)

(اور) اے محمد (ﷺ)! تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے، اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے)

۵۔ مشرک کا خون و مال حلال ہے:

﴿فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا مِنْهُمْ وَاقْعُدُوا

لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ﴾ (التوبة: ۵)

(مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور پکڑ لو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو)^(۱)

اور رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے:

^۱ عرب کے زیر معاہدہ مشرکین کے لئے قرآن کریم کا خاص حکم تھا۔ (م ن)

”أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتَلَ حَتَّى يَقُولُوا : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، فَإِذَا قَالُوهَا عَصَبُوا مِنِّي دِمَاعَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا“^(۱) (رواہ البخاری و مسلم)

(مجھے حکم ملا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں اور جب لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خون و مال کی حفاظت کر لیں گے مگر اس کے حق (شرعی حدود) سے)

۶۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے:

”أَلَا أُنبِئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَائِرِ؟ قُلْنَا : بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ ، قَالَ : الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ ، وَعَقُوقُ الْوَالِدَيْنِ“^(۲) (البخاری، مسلم)

(کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا ضرور بتائیے اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور والدین کی نافرمانی)

علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:

(اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ تخلیق کائنات اور اس کے نظم و انتظام کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء و صفات کے ذریعہ پہچانا جائے، صرف اسی

^۱ البخاري الجهاد والسير (۲۷۸۶)، مسلم الإيمان (۲۱)، الترمذي الإيمان (۲۶۰۶)، النسائي تحريم الدم (۳۹۷۱)، أبو داود الجهاد (۲۶۴۰)، ابن ماجه الفتن (۳۹۲۸)، أحمد (۱۱/۱).

^۲ البخاري الشهادات (۲۵۱۱)، مسلم الإيمان (۸۷)، الترمذي تفسير القرآن (۳۰۱۹)، أحمد (۳۷/۵).

کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ لوگ آپس میں عدل و انصاف سے کام لیں، عدل وہ میزان ہے جس کے ذریعہ آسمان و زمین کا قیام وجود میں آیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ

النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد: ۲۵)

(ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں، اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت سے باخبر کیا ہے کہ اس نے اپنے رسول بھیجے، اپنی کتابیں نازل کیں۔ تاکہ لوگ عدل و انصاف سے کام لیں، اور سب سے بڑا عدل و انصاف توحید ہے، بلکہ توحید عدل کا لب لباب ہے اور شرک کھلا ہوا ظلم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

(شرک بڑا (بھاری) ظلم ہے)

شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور توحید سب سے بڑا عدل ہے۔ شرک تخلیق کائنات کے اصلی مقصد کے سراسر مخالف ہے۔ لہذا وہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں۔

(چونکہ شرک مقصدِ تخلیق کائنات کے سراسر مخالف ہے اور سب سے بڑا گناہ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ہر مشرک کے لئے جنت کو حرام قرار دیا، اس کے جان و مال، اہل و عیال کو اہل توحید کے لئے حلال قرار دیا، اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت سے بہت دور ہیں، لہذا انہیں اپنا خادم بنا کر رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرک کے کسی بھی عمل کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اس کے بارے میں کسی کی سفارش بھی قابل قبول نہ ہوگی۔ آخرت کے دن اس کا پکارنا بھی رائیگاں جائے گا، اس کی امیدیں بھی ناکام ہوں گی۔ ایک مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے سب سے زیادہ نادان و بے بہرہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کا مد مقابل ٹھہراتا ہے۔ جو آخری درجہ کی جہالت ہے، یہ غایت درجہ کا ظلم بھی ہے۔ اگرچہ ایک مشرک اللہ تعالیٰ پر کوئی ظلم نہیں کرتا لیکن درحقیقت وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرتا ہے) ^(۱)۔

۷۔ شرک ایک نقص و عیب ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کو پاک قرار دیا ہے۔ لہذا جو شخص اس کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ چیز ثابت کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پاک قرار دیا ہے، لہذا

شرک اللہ تعالیٰ کی سراسر نافرمانی ہے، اس سے ہٹ دھرمی ہے بلکہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

شرک کی اقسام

شرک کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ شرکِ اکبر: جو بندہ کو دائرہ اسلام سے نکال دیتا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کر دیتا ہے۔ یہ اس صورت میں جب وہ شرک پر ہی مرا ہو، اور توبہ کی توفیق نہ ملی ہو۔ شرکِ اکبر کا مطلب ہے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے ادا کیا جائے۔ جیسے غیر اللہ سے دعا کرنا، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں قربانی کرنا، نذر و نیاز چڑھانا، غیر اللہ کے ضمن میں مقابر و مزارات، جن و شیاطین سب آجاتے ہیں، اسی طرح مردوں، جنات، و شیاطین سے خوف کھانا کہ وہ اسے تکلیف نہ پہنچادے، اس کو بیماری میں مبتلا نہ کر دے، اسی طرح غیر اللہ سے ایسی امیدیں وابستہ رکھنا جس پر صرف اللہ قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا، اس طرح کے شرک کی مشق آجکل اولیاء و بزرگوں کی پختہ قبروں پر خوب ہو رہی ہے۔ اس چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ وَيَقُولُونَ
هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

(یونس: ۱۸)

(اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان
کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلاہی کر سکتی ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ
کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ
تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں
میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے)

- ۲۔ شرکِ اصغر: جس سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا، لیکن اس کی
توحید میں کمی آجاتی ہے۔ یہ شرکِ اکبر کا ایک ذریعہ ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔
۱۔ شرکِ جلی: یہ شرکیہ الفاظ و افعال ہوتے ہیں۔ شرکیہ الفاظ کی مثال
غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد ہے:

”مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ“^(۱) (ترمذی نے

روایت فرمایا اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا)

(جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا)

اور آپ (ﷺ) کا اس شخص سے یہ فرمانا جس نے کہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ

اور آپ نے چاہا: ”أَجْعَلْتَنِي اللَّهُ نِدًّا؟! قُلْ: مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ“^(۲) (نسائی)

(کیا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کے مد مقابل بنادیا؟ کہو اگر اللہ نے اکیلے چاہا)۔

اسی طرح کسی کا یہ کہنا، اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتا، جب کہ اس کے قول کا صحیح

طریقہ یہ ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر فلاں شخص نے اس لئے کہ لفظ ”ثم“ (پھر)

ترتیب (ترانی) کے لئے آتا ہے۔ جس سے یہ مفہوم خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ

بندہ کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (التکویر: ۲۹)

(اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے)

^۱ الترمذی النذور والایمان (۱۵۳۵) ، أبو داود الایمان والنذور (۳۲۵۱)۔

^۲ أحمد (۲۱۴/۱)۔

جب کہ حرف ”واو“ مطلق جمع و اشتراک کے لئے آتا ہے۔ جس سے ترتیب و تعقیب کا مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کسی سے کہا جائے ”میرے لئے تو بس اللہ اور تم ہو“ اور یہ ”اللہ اور تمہاری برکت کے طفیل“ وغیرہ۔

شرکیہ اعمال جیسے کڑے پہننا، دفعِ بلیات کے لئے دھاگہ باندھنا، نظرِ بد سے بچنے کے لئے تعویذ باندھنا وغیرہ، ان اعمال کے ساتھ جب یہ عقیدہ ہو کہ یہ مصائب و پریشانیاں دور کرنے اور بلائیں ٹالنے کے وسائل ہیں، تو یہ شرکِ اصغر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ان مقاصد کے ذرائع اور وسائل نہیں بنائے ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ چیزیں بذاتِ خود بلا و مصیبت دور کرتی ہیں تو یہ شرکِ اکبر ہے۔ اس لئے کہ اس میں غیر اللہ کے ساتھ اس تعلق و ربط کا اظہار ہو رہا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

۲۔ شرکِ خفی: یہ ارادوں اور نیتوں کا شرک ہے۔ جیسے ریاکاری شہرت آوری وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے تقرب والے عمل اس لئے کئے جائیں تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں مثلاً کوئی شخص اچھی نماز صرف اس لئے پڑھتا ہے یا صدقہ و خیرات صرف اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ ذکر و اذکار اور تلاوت صرف اس لئے کرتا ہے کہ لوگ سنیں تو اس

کی خوب تعریف کریں، کسی بھی عمل میں جب ریاکاری آجاتی ہے تو وہ عمل باطل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ

بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الكهف: ۱۱۰)

(تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ عمل نیک کرے

اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)

نبی اکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے:

”أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر: قالوا: يا رسول الله!

وما الشرك الأصغر؟ قال الرياء“ (۱) (أحمد، الطبرانی، البغوی نے

شرح السنۃ میں)

(تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر مجھے شرکِ اصغر سے ہے۔ لوگوں

نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! شرکِ اصغر سے کیا

مراد ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ریاکاری)

اسی طرح دنیاوی لالچ میں کوئی دینی عمل کرنا بھی شرکِ خفی ہے۔ جیسے کوئی شخص صرف مال و دولت کے لئے حج کرتا ہو، اذان دیتا ہو، یا لوگوں کی امامت کرتا ہو۔ علومِ شرعیہ حاصل کرتا ہو یا جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے سلسلہ میں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

”تَعَسَّ عَبْدُ الدِّينَارِ ، وَتَعَسَّ عَبْدُ الدَّرْهَمِ ، تَعَسَّ عَبْدُ الْخَبِيصَةِ ، تَعَسَّ عَبْدُ الْخَمِيلَةِ ، إِنْ أُعْطِيَ رِضًى ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ سَخَطٌ“^(۱) (البخاری)

(ہلاک ہو ادینار کا بندہ، اور ہلاک ہو درہم کا بندہ، ہلاک ہو اکالی چادر کا بندہ، ہلاک ہو احملی چادر کا بندہ، اگر اسے دیا جاتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اگر نہیں دیا جاتا ہے تو ناخوش رہتا ہے)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: (ارادوں و نیتوں کا شرک تو ایسا بحرِ زخار ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں اور بہت کم ہی لوگ اس سے بچ پاتے ہیں۔ لہذا جس شخص نے اپنے عمل سے اللہ کی رضامندی کے علاوہ کسی دوسری چیز کا ارادہ کیا یا اللہ تعالیٰ سے تقرب کے علاوہ کسی اور چیز کی نیت کی اور غیر اللہ سے اس عمل کے جزاء کی درخواست کی تو وہ نیت وارادہ کا شرک ہے۔

^۱ البخاری الجہاد والسير (۲۷۳۰)، ابن ماجہ الزہد (۴۱۳۶)۔

اخلاص

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال، افعال، ارادہ و نیت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو خالص کیا جائے۔ یہی چیز حنیفیت یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر بندہ کو دیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ یہی حنیفیت اسلام کی حقیقت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

(اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا)

یہی حنیفیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ لہذا جو بھی اس سے اعراض کرے گا وہ دنیا کا سب سے بڑا حقدار ہو گا^(۱)۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ چیز صاف طور پر واضح ہو گئی کہ شرکِ اکبر و شرکِ اصغر کے مابین مندرجہ ذیل فرق ہیں۔

۱- شرکِ اکبر سے ایک مسلمان، دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، جبکہ شرکِ اصغر سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، البتہ اس سے توحید (اور ایمان) میں کمی آتی ہے۔

۲- شرکِ اکبر ایک مشرک کو ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم رسید کر دیتا ہے، جبکہ شرکِ اصغر سے انسان ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا، اگر وہ جہنم میں گیا بھی تو ہمیشہ ابدی طور پر اس میں نہیں رہے گا (چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے شروع ہی سے بخش کر جنت میں ڈال دے یا چاہے گا تو اسے اس کے گناہوں کے بقدر جہنم میں سزا دے کر آخر کار جنت میں داخل فرما دے گا)۔

۳- شرکِ اکبر تمام اعمال کو ختم کر دیتا ہے اور شرکِ اصغر تمام اعمال کو برباد نہیں کرتا، لیکن ریاکاری اور دنیاوی غرض سے کئے گئے عمل یا جن میں ان کی ملاوٹ ہو تو وہ فقط ان اعمال ہی کو برباد کرتا ہے جن میں یہ ملاوٹیں ہوں۔

۴۔ شرک اکبر مشرک کے مال و دولت کو مباح قرار دیتا ہے جب کہ شرک اصغر ان کو مباح نہیں کرتا۔

فصل سوم

کفر: اس کی تعریف اور اس کی اقسام

کفر کی تعریف:

لغوی اعتبار سے کفر کے معنی: "التغطية والستر" (ڈھانپنے اور چھپانے) کے ہیں۔ اور شرعی اصطلاح میں: "ضد الإیمان" (ایمان کی ضد) کو کفر کہتے ہیں، یعنی (اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لانے کو کفر کہا جاتا ہے۔ چاہے اس میں تکذیب (جھٹلانا) پائی جائے یا نہ پائی جائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ شک و شبہ، اعراض و حسد، کبر و نخوت، اور بعض ایسی خواہشاتِ نفس کی پیروی جو اتباعِ رسالت میں مانع ہوں وغیرہ سے بھی اس حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اگرچہ جھٹلانے والا سب سے بڑا کافر ہے۔ اسی زمرہ میں وہ منکر و جھٹلانے والا آتا ہے جو دل میں

رسالت پر یقین رکھنے کے باوجود محض حسد کی وجہ سے کفر کو گلے لگائے رہتا ہے^(۱)۔

کفر کی اقسام:

کفر دو قسم کا ہے۔ ایک کفر اکبر، دوسرا کفر اصغر

پہلی قسم، کفر اکبر:

کفر اکبر سے مراد وہ کفر ہے جو مسلمان کو دائرہ اسلام سے نکال دیتا ہے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ کفر تکذیب (جھٹلانا):

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ﴾ (العنکبوت: ۶۸)

(اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب حق بات اس کے پاس آئے تو اس کی تکذیب کرے کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟)

۲۔ تصدیق ہونے کے باوجود کفر تکبر و انکار:

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ (البقرة: ۳۴)

(اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا)

۳۔ شک و شبہ کا کفر:

اسے کفرِ ظن (گمان) بھی کہا جاتا ہے: اس کی دلیل یہ فرمان الہی ہے:

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِّدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا لَّكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ (الكهف: ۳۵، ۳۸)

(اور) (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا، کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو۔ اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو، اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا بھی جاؤں تو وہاں ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا تو اس کا دوست جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تم اس (اللہ) سے کفر کرتے ہو، جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر

تمہیں پورا مرد بنایا، مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا)

۴۔ اعراض کا کفر:

اس کی دلیل یہ ارشاد باری ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾ (الاحقاف: ۳)
(اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے اس سے اعراض کرتے) (منہ پھیر لیتے) ہیں)

۵۔ کفرِ نفاق:

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ﴾ (البنافقون: ۳)
(یہ اس لئے کہ یہ پہلے تو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں)

دوسری قسم، کفرِ اصغر:

کفرِ اصغر سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا ہے، اسے کفرِ عملی بھی کہا جاتا ہے، جو بعض ایسے گناہ ہیں جن کو کتاب و سنت میں کفر کہا گیا ہے حالانکہ وہ کفرِ اکبر کی حد تک نہیں پہنچتے، جیسے کفرِ نعمت (ناشکری)، کلام پاک میں اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے۔

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ

كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ﴾ (النحل: ۱۱۲)

(اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن و چین سے بستی تھی، ہر طرف سے رزق با فراغت چلا آتا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی)

مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا بھی اس میں داخل ہے، ارشادِ نبوی (ﷺ) ہے:

”سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ“^(۱) (متفق علیہ)

(مسلمان کو سب و شتم کرنا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے)

نیز فرمایا:

^۱ البخاری الإیمان (۴۸) ، مسلم الإیمان (۶۴) ، الترمذی البر والصلة (۱۹۸۳) ، النسائی تحریم الدم (۴۱۰۸) ، ابن ماجہ المقدمة (۶۹) ، أحمد (۴۳۹/۱) .

”لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ“^(۱)

(متفق علیہ)

(میرے بعد تم پھر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو)

اس میں غیر اللہ کی قسم بھی داخل ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے:

”مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ“^(۲) (ترمذی نے

روایت کر کے حسن کہا، اور حاکم نے صحیح قرار دیا)

(جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا)

ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مومن کہا ہے۔ آیت کریمہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾

(البقرة: ۱۷۸)

^۱ البخاري العلم (۱۲۱)، مسلم الإيمان (۶۵)، النسائي تحريم الدم (۴۱۳۱)، ابن ماجه الفتن (۳۹۴۲)، أحمد (۳۵۸/۴)، الدارمي المناسك (۱۹۲۱).
^۲ الترمذي النذور والإيمان (۱۵۳۵)، أبو داود الإيمان والنذور (۳۲۵۱).

(مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے
خون) کا حکم دیا جاتا ہے)

یہاں پر قاتل کو مومنوں کے زمرہ سے الگ نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو
قصاص کے ولی کا بھائی بتایا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ عَنِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدِّعْ إِلَيْهِ

بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۱۷۸)

(ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی
کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے)

اور یہاں اخوت سے مراد بلاشبہ دینی اخوت ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ
بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ
اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾

(الحجرات: ۹-۱۰)

(اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح
کرادو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی
کرے تو تم (سب) اس فریق سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ
وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف
کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں
سے محبت کرتا ہے۔ (یاد رکھو) سارے مومنین تو آپس میں بھائی بھائی
ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں میل ملاپ کرادیا کرو)^(۱)

کفر اکبر و کفر اصغر میں فرق کا خلاصہ

۱۔ کفر اکبر ایک مسلمان کو ملت اسلامیہ کے دائرہ سے نکال دیتا ہے اور اس
کے تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔ جب کہ کفر اصغر ایک مسلمان کو

^۱ شرح عقیدہ طحاویہ سے مختصراً ماخوذ صفحہ (۳۶۱) ط المکتب الاسلامی

ملتِ اسلامیہ کے دائرہ سے نہیں نکالتا اور نہ ہی اس کے تمام اعمال کو برباد کرتا ہے۔ ہاں! البتہ اس میں نقص ضرور پیدا کر دیتا ہے، اور اس کے مرتکب کو شدید وعید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ کفرِ اکبر صاحبِ کفر کو ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کر دیتا ہے، جب کہ کفرِ اصغر کا مرتکب اگر جہنم میں گیا بھی تو ہمیشہ وہاں نہیں رہے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے تو وہ سرے سے ہی جہنم میں داخل نہ ہو۔

۳۔ کفرِ اکبر سے صاحبِ کفر کا جان و مال مباح ہو جاتا ہے، جب کہ کفرِ اصغر اس کی جان و مال کو مباح نہیں کرتا۔

۴۔ کفرِ اکبر کی وجہ سے صاحبِ کفر اور مومنوں کے درمیان اصلی عداوت و دشمنی لازمی ہے۔ لہذا مومنوں کے لئے صاحبِ کفرِ اکبر سے محبت و دوستی چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو جائز نہیں۔ جہاں تک کفرِ اصغر کی بات ہے تو اس کی وجہ سے صاحبِ کفر سے دوستی مطلقاً منع نہیں، بلکہ اس کے ایمان کی مقدار کے برابر اس سے محبت و دوستی کی جائے گی اور اس کے نافرمانی و عصیان کی مقدار کے برابر اس سے بغض و دشمنی رکھی جائے گی۔

فصل چہارم

نفاق، اس کی تعریف اور اقسام

نفاق کی تعریف:

لغت کے اعتبار سے لفظ ”نفاق“ مصدر ہے فعل نافع کا۔ کہا جاتا ہے نافع، ینافق، نفاقاً و منافقة۔ یہ لفظ النافقاء سے ماخوذ ہے۔ ”أحد مخارج اليربوع من جحره؛ فإنه إذا طلب من مخرج هرب إلى الآخر، وخرج منه، وقيل: هو من النفق وهو: السُّمُّ الذی یستتر فیہ“^(۱) (جو گوہ کے بل کی خفیہ نکاسی اور منہ کو کہتے ہیں گوہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب اسے بل کے ایک منہ سے تلاش کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے منہ سے نکل جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ لفظ نفق سے ماخوذ ہے جو ان بلوں کو کہتے ہیں جن میں گوہ چھپے رہتے ہیں)۔

^۱ النہایۃ لابن الاثیر (۹۸ / ۵) میں اسی معنی کی تعریف ہے .

شرعی اصطلاح میں نفاق کے معنی ہیں: ”إِظْهَارُ الْإِسْلَامِ وَالْخَيْرِ، وَإِبْطَانُ الْكُفْرِ وَالشَّرِّ؛ سَعَى بِذَلِكَ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِي الشَّرِّ مَنْ بَابٍ، وَيَخْرُجُ مِنْهُ مَنْ بَابٍ آخِرٍ“ (اسلام و خیر کا اظہار کرنا، اور کفر و شر کو اندر چھپائے رکھنا اس لئے کہا گیا کہ منافق ایک دروازے سے شریعت میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے دروازے سے نکل جاتا ہے)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ فرمائی گئی، ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (التوبة: ۶۷)

(بے شک منافق فاسق ہیں)

فاسقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دائرہ شریعت سے نکلے ہوئے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو کافروں سے بھی برابر قرار دیا ہے۔ آیت کریمہ ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: ۱۴۵)

(کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے

میں ہوں گے)

مزید ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (النساء: ۱۴۲)
 (منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں) (یہ اس کو
 کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے)

﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا
 يَشْعُرُونَ﴾ (البقرة: ۹-۱۰)
 (یہ اپنی خام خیالی میں) اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں
 مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر
 ہیں ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا، اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ
 کر دیا، اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب
 ہوگا)

نفاق کے اقسام:

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

۱- اعتقادی نفاق:

یہی نفاق اکبر ہے، جس میں ایک منافق بظاہر اسلام کی نمائش کرتا ہے لیکن
 اپنے اندر کفر کو چھپائے رکھتا ہے اس طرح کے نفاق سے آدمی کلی طور پر دین سے

خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام برے اوصاف سے انہیں متصف کیا ہے کبھی کافر کہا کبھی بے ایمان کہا کبھی دین اور دین داروں کے ساتھ مذاق اڑانے والے سے انہیں تعبیر کیا ان کی بری صفات بیان کرتے وقت کہا گیا کہ یہ ہمہ تن دشمنانِ اسلام کی طرف جھکے رہتے ہیں اس لئے کہ ان کی اسلام دشمنی بھی ان ظاہر کافر دشمنوں سے کم نہیں ہوتی۔ منافقین ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں خاص طور پر ایسے زمانہ میں جب اسلام کی قوت و شوکت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ یہ ظاہری طور پر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہذا یہ اس کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم بھی اس میں داخل ہیں۔ تاکہ اندر رہ کر اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازش رچی جاسکے۔ مسلمانوں سے مل کر رہنے کا موقع ملے اور اپنے جان و مال کی ان سے حفاظت ہو سکے۔

لہذا ایک منافق بظاہر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یومِ آخرت پر ایمان کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن اندرونی طور پر ان چیزوں سے عاری ہوتا ہے۔ بلکہ ان حقائق کو جھٹلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے نہ اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ پر اپنا کلام پاک نازل فرمایا ہے اور اس کو رسول بنایا ہے تاکہ وہ اس کی اجازت سے لوگوں کو ہدایت کرے، اس کی گرفت سے باخبر کرے، اس کے عقاب سے ڈرائے اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں ان منافقوں کے پردہ کو فاش

فرمایا ہے اور ان کے باطنی راز کو کھول دیا ہے اور اپنے بندوں پر ان کے معاملہ کو ظاہر کر دیا ہے، تاکہ وہ بھی نفاق اور اہل نفاق سے خبردار رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ابتداء میں لوگوں کے تین طبقوں کا تذکرہ کیا ہے۔
 مومنین، کفار اور منافقین، پس مومنوں کے سلسلہ میں چار آیتیں نازل ہوئیں،
 کافروں سے متعلق دو آیتیں، جب کہ منافقین کے بارے میں تیرہ آیتیں اتریں، اور
 یہ صرف منافقوں کی کثرت، لوگوں میں نفاق کے پھیلنے اور اسلام اور اہل اسلام کے
 لئے عظیم فتنہ ثابت ہونے کی وجہ سے، اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اسلام
 کو بہت سے مصائب بھی جھیلنے پڑے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اسلام کے حقیقی اور کٹر
 دشمن ہونے کے باوجود اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اسلام کے حلیف اور
 مددگار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ منافقین اپنی دشمنی کے نت نئے طریقے نکالتے ہیں، جس
 سے جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ دین میں علم و اصلاح کی باتیں کرتے ہیں جب
 کہ حقیقت میں وہ اصلاح نہیں غایت درجہ کی جہالت اور فساد ہوتا ہے۔^(۱)

اعتقادی نفاق کی چھ قسمیں ہیں^(۲)

۱۔ رسول اللہ (ﷺ) کو جھٹلانا۔

^۱ امام ابن القيم (رحمۃ اللہ علیہ) کے رسالے "صفات المنافقین" سے ماخوذ۔ یہ
 رسالے ہماری ویب سائٹ اصلی اہلسنت ڈاٹ کام پر دستیاب ہے۔
^۲ مجموعۃ التوحید النجدیۃ صفحہ ۹۔

۲- رسول اللہ (ﷺ) کی لائی ہوئی شریعت کے بعض حصہ کو جھٹلانا۔

۳- رسول اللہ (ﷺ) سے بغض رکھنا۔

۴- رسول اللہ (ﷺ) کی لائی ہوئی شریعت کی بعض باتوں سے بغض رکھنا۔

۵- رسول اللہ (ﷺ) کے لائے ہوئے دین کے زوال سے خوش ہونا۔

۶- رسول اللہ (ﷺ) کے دین کے غلبہ و بالادستی سے تکلیف اور رنج و غم ہونا۔

۲- عملی نفاق:

اس سے مراد دل میں ایمان کے ساتھ ساتھ منافقوں کے اعمال میں سے کچھ کا ارتکاب کرنا۔ اس نفاق سے آدمی ملتِ اسلامیہ کے دائرہ سے نہیں نکلتا۔ لیکن ملت کے دائرہ سے نکلنے کے راستے کو ہموار کرتا ہے۔ ایسے شخص کے اندر ایمان و نفاق دونوں ہوتے ہیں۔ جب نفاق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے تو وہ خالص منافق ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ (ﷺ) کا یہ قول ہے:

’أربعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ‘^(۱)، (متفق علیہ)

(چار چیزیں ہیں جس کے اندر ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا، اور جس کے اندر ان میں سے ایک ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے، (وہ یہ ہیں) جب امانت سونپی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو بد عہد کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوں پر اتر آئے)

لہذا جس کے اندر یہ چاروں خصلتیں جمع ہو جائیں اس کے اندر ساری برائیاں جمع ہو جاتی ہیں اور اس کے اندر منافقین کی ساری (ظاہری) صفات اکٹھا ہو جاتی ہیں۔ اور جس کے اندر ان میں سے ایک ہو اس کے اندر نفاق کی ایک عادت ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کے اندر کچھ اچھی خصلتیں بھی ہوتی ہیں اور کچھ بری خصلتیں بھی، کچھ ایمانی خصلتیں بھی ہوتی ہیں اور کچھ کفر و نفاق کی خصلتیں بھی، چنانچہ وہ اپنے اچھے برے عمل کے اعتبار سے ثواب و عقاب کا مستحق ہوتا ہے۔ نفاق

^۱ البخاری الإیمان (۳۴) ، مسلم الإیمان (۵۸) ، الترمذی الإیمان (۲۶۳۲) ، النسائی الإیمان وشرائعه (۵۰۲۰) ، أبو داود السنة (۴۶۸۸) ، أحمد (۱۸۹/۲) .

عملی میں جماعت کے ساتھ نماز میں سستی بھی داخل ہے۔ اس لئے کہ یہ منافقین کے صفات میں سے ہے، نفاق بہت بری اور خطرناک چیز ہے، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفاق سے بہت زیادہ ڈرتے رہتے تھے۔ سیدنا ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ: "أدرکت ثلاثین من أصحاب رسول الله - صلی اللہ علیہ وسلم - کلّهم يخاف النفاق علی نفسه" (میں نے تیس (۳۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے اور سب کو اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے ہوئے پایا ہے)۔

نفاقِ اکبر و نفاقِ اصغر کے درمیان فرق

- ۱- نفاقِ اکبر ایک مسلمان کو دائرہ اسلام سے باہر کر دیتا ہے۔ جب کہ نفاقِ اصغر ایک مسلمان کو ملتِ اسلامیہ کے دائرہ سے باہر نہیں کرتا۔
- ۲- نفاقِ اکبر میں اعتقاد و عقیدہ کے اندر ظاہر و باطن میں اختلاف ہوتا ہے اور نفاقِ اصغر میں عقیدہ و اعتقاد کے بجائے اعمال کے اندر ظاہر و باطن میں اختلاف ہوتا ہے۔
- ۳- نفاقِ اکبر ایک مومن سے ہر گز بھی صادر نہیں ہو سکتا، جبکہ نفاقِ اصغر بندہ مومن سے بھی صادر ہو سکتا ہے۔

۴- صاحبِ نفاقِ اکبر غالباً توبہ نہیں کر پاتا ہے، اور اگر توبہ کر بھی لے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قبولیت کے سلسلہ میں اختلاف ہے، جبکہ صاحبِ نفاقِ اصغر کو کبھی توبہ کی توفیق مل بھی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول بھی کر لیتا ہے۔

علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مومن بندہ نفاق کے کسی جزء میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ کبھی اس کے دل میں ایسی چیز آ جاتی ہے، جس سے نفاق لازم آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کو اس کے دل سے زائل فرما دیتا ہے۔ ایک مومن بندہ کو کبھی شیطان کے وساوس اور کبھی کفر کے وساوس سے پالا پڑتا ہے، جس سے اس کے دل میں گھٹن پیدا ہوتی ہے، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا کہ ”یا رسول اللہ، إن أحدنا ليجد في نفسه مالن ين يخر من السماء إلى الأرض أحب إليه من أن يتكلم به، فقال: ”ذلك صريح الإيثار“ . وفي رواية: ما يتعاضم أن يتكلم به، قال: ”الحدُّ لله الذي ردَّ كيداً إلى الوسوسة“ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے بعض اپنے دل میں ایسی چیز محسوس کرتے ہیں کہ اس کو بولنے سے وہ آسمان سے زمین پر گر کر مر جانے کو ترجیح دیتے ہیں، (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: (یہ صریح ایمان (ایمان کی واضح نشانی) ہے)۔ (مسلم، احمد) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: (وہ اپنے دل کی بات کو زبان سے

بولنا بہت ہی عظیم و خطرناک سمجھتے ہیں (یہ سن کر) آپ (ﷺ) نے فرمایا: (اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایک سازش کو وسوسہ میں بدل دیا)، یعنی اس کراہیت کے باوجود اس طرح کے وسوسہ کا حاصل ہونا پھر اس کو اپنے دل سے زائل کرنے کی کوشش کرنا ایمان کی صریح دلیل ہے^(۱)۔

اور جہاں تک نفاق اکبر کا تعلق ہے تو اس میں مبتلا لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿صُمُّ بُكْمٌ عُمًى فَهُمْ لَا يَرِجْعُونَ﴾ (البقرة: ۱۸)

(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے راستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے)

یعنی وہ باطنی طور پر اسلام کی طرف نہیں لوٹیں گے، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَأُولَٰئِكَ يَفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ

وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ (التوبہ: ۱۲۶)

(کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو بار بلا و آزمائش میں پھنسا دیئے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: (بظاہر ان کی توبہ قبول ہونے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے کہ ان کی اندرونی حالت کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ (ظاہر میں) تو ہمیشہ اسلام ہی کا اظہار کرتے ہیں) ^(۱)۔

فصل پنجم

جاہلیت، فسق، ضلالت، ارتداد ان کی حقیقت اور اقسام و احکام کا بیان

جاہلیت

”ہی الحال التي كانت عليها العرب قبل الإسلام؛ من الجهل بالله ورسوله، وشرائع الدين، والمفاخرة بالأنساب، والكبر والتجبر، وغير ذلك“ ^(۲) (اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، اور دین و شریعت سے ناواقفیت، حسب و نسب پر بے جا فخر و تکبر اور غرور کی جس حالت میں عرب کے لوگ اسلام سے پہلے مبتلا تھے اس حالت کو جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

^۱ انظر: مجموع الفتاوى (۲۸ / ۴۳۴ - ۴۳۵) .

^۲ النهاية لابن الاثير (۱ / ۳۲۳) .

جاہلیتِ جہل سے ماخوذ ہے، جو علم کی ضد یا اتباعِ علم کی ضد ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: (اگر کسی کو حق کا علم نہیں تو وہ جہلِ بسیط میں مبتلا ہے، اور اگر اس کا اعتقاد حق کے برخلاف ہے تو وہ جہلِ مرکب میں مبتلا ہے، اور اگر کوئی حق کا علم رکھتے ہوئے حق کے خلاف بات کرتا ہے یا حق کے علم کے بغیر حق کے برخلاف بات کرتا ہے تو وہ بھی جاہل ہے۔ یہ واضح ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ بعثتِ نبوی سے پہلے لوگ ایسی جاہلیت میں تھے جو جہل کی طرف منسوب ہے۔ یہ سارے اقوال و اعمال کسی جاہل کے ایجاد کردہ تھے اور جاہل لوگ بجالاتے تھے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں کے خلاف تھی چاہے یہودیت ہو یا نصرانیت وہ جاہلیت ہی تھی، اسے جاہلیتِ عامہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے بعد یہ جاہلیت عام نہیں ہے بلکہ کسی علاقے میں ہوگی، اور کسی میں نہیں، جیسے کہ دیارِ کفر و شرک کی جاہلیت ہے۔ اسی طرح یہ کسی خاص شخص میں ہوگی اور کسی میں نہیں، جیسے کوئی شخص اسلام قبول کرنے سے پہلے جاہلیت میں تصور کیا جائے گا چاہے وہ دیارِ اسلام ہی میں کیوں نہ ہو، لیکن زمانِ مطلق کے اعتبار سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے بعد جاہلیتِ عامہ نہ ہوگی، اس لئے کہ اب قیامت تک ہر زمانہ میں امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، لیکن جاہلیتِ مقیدہ (مخصوصہ) اب بھی بعض

مسلم ملکوں میں اور بہت سے مسلمانوں میں پائی جاسکتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے: ”أربع في أمتي من أمر الجاهلية“^(۱) (مسلم) (میری امت میں چار چیزیں جاہلیت کی نشانی ہیں) ”وقال لأبي ذر: انك إمرأ فيك جاهلية“^(۲) (متفق علیہ) (ایک مرتبہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ایسے شخص ہو جس میں ابھی تک جاہلیت کی بو موجود ہے)^(۳)

خلاصہ

جاہلیت کی نسبت جہل کی طرف ہے جو عدم علم کا دوسرا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جاہلیتِ عامہ: اس سے مراد بعثت نبوی (ﷺ) کے ماقبل کا زمانہ و حالت ہے اور جو بعثت نبوی (ﷺ) کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے۔

۲۔ جاہلیتِ خاصہ: یہ جاہلیت بعض ملکوں، بعض شہروں اور بعض افراد کے ساتھ خاص ہے، جو اب بھی موجود ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی کھل کر

^۱ مسلم الجنائز (۹۳۴) ، أحمد (۳۴۳/۵) .

^۲ البخاري الإيمان (۳۰) ، مسلم الأيمان (۱۶۶۱) ، أبو داود الأدب (۵۱۵۷) ، أحمد (۱۶۱/۵) .

^۳ اقتضاء الصراط المستقيم (۱ / ۲۲۵ - ۲۲۷) تحقيق الدكتور ناصر العقل .

سامنے آ جاتی ہے، جو جاہلیت کو اس زمانہ تک عام کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں اس صدی کی جاہلیت یا بیسوی صدی کی جاہلیت اور اس جیسے جملے، جبکہ صحیح جملہ اس طرح کہا جاسکتا ہے، اس صدی کے بعض لوگوں کی جاہلیت یا اس صدی کے اکثر لوگوں کی جاہلیت، جہاں تک عمومیت کا مسئلہ ہے تو یہ صحیح نہیں اور نہ ہی جائز ہے۔ اس لئے کہ بعثتِ نبوی (ﷺ) کی وجہ سے یہ عام جاہلیت ختم ہو چکی ہے۔

فسق

لغت میں فسق کے معنی خروج (نکلنے) کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں فسق سے مراد ہے: "الخروج عن طاعة الله" (اطاعتِ الہی سے نکلنا)، اس میں کلی طور پر نکلنا بھی شامل ہے، اسی لئے کافر کو بھی فاسق کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس سے جزئی طور پر نکلنا بھی مراد لیتے ہیں، اسی لئے ایک مومن سے اگر کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اسے فاسق کہہ دیا جاتا ہے۔

فسق کی دو قسمیں ہیں

پہلی قسم:

وہ فسق جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اسے کفر بھی کہتے ہیں۔ لہذا کافر کو بھی فاسق کہہ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ (الكهف: ۵۰)

(تو وہ اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا)

اس فسق کے ذریعہ ابلیس نے دراصل کفر کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا اس ضمن میں یہ

بھی ارشاد ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ﴾ (السجدة: ۲۰)

(اور جنہوں نے فسق (نافرمانی) کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے)

اس سے مراد کفار ہیں اس کی دلیل یہ ارشاد باری ہے:

﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا

عَذَابِ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ﴾ (السجدة: ۲۰)

(جب چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں تو اس میں لوٹا دیئے جائیں

گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے جس عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے

تھے اس کے مزے چکھو)

دوسری قسم: گنہگار مسلمان جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہو اسے بھی فاسق کہہ دیا جاتا

ہے، لیکن اس کا فسق اسے اسلام سے نہیں نکالتا، ارشاد باری ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ
فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (النور: ۴)

(اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار
گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) ڈرے مارو، اور کبھی ان کی شہادت
قبول نہ کرو، اور یہی بدکردار ہیں)

نیز فرمایا:

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ
فِي الْحَجِّ﴾ (البقرة: ۱۹۷)

(تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے توج (کے دنوں) میں نہ
عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی فسق (براکام) کرے، نہ کسی سے
جھگڑے)

علمائے کرام نے فسق کی تفسیر میں اس کے معنی عاصی و گنہگار کے بتائے
ہیں^(۱)۔

ضلالت

ضلالت (گمراہی) کا معنی ہے: ”العدول عن الطريق المستقیم ، وهو ضد الهدایة“ (صراطِ مستقیم سے ہٹ جانا اور یہ ہدایت کی ضد ہے) آیت کریمہ ہے۔

﴿مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ

وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾

(الإسراء: ۱۵)

(جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے اپنے ہی لئے اختیار کرتا ہے، اور اگر ضلالت اختیار کرتا ہے (گمراہ ہوتا ہے) تو گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا)

ضلالت کے متعدد معانی ہیں

۱۔ اس کا اطلاق کفر پر بھی ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ

ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ۱۳۶)

(اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روز قیامت سے انکار کرے وہ راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا)

۲۔ کبھی اس کا اطلاق شرک پر بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾

(النساء: ۱۱۶)

(اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا وہ (صحیح) راستہ سے دور جا پڑا)

۳۔ کبھی اس کا اطلاق اس مخالفت پر بھی ہوتا ہے جس سے کفر لازم نہیں آتا، جیسے کہا جاتا ہے، فرقہ ہائے ضالہ (گمراہ فرقے)، یہاں ضالہ سے مراد مخالفہ ہے۔

۴۔ غلطی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) کا قول قرآن میں یوں بیان ہوا ہے:

﴿قَالَ فَعَلْتُهَا إِذْ أَوْأَنَا مِنَ الصَّالِينَ﴾ (الشعراء: ۲۰)

((موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں

سرزد ہوئی تھی، اور میں خطا کاروں میں تھا)

۵۔ کبھی نسیان و بھول پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى﴾ (البقرة: ۲۸۲)

(ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلادے گی)

۶۔ ضلال کا اطلاق کبھی غائب ہونے اور گم ہونے پر بھی ہوتا ہے، اہل عرب کہتے ہیں "ضالة الابل"^(۱) (گمشدہ اونٹ)

ارتداد، اس کی اقسام و احکام

لغت میں ارتداد (رجوع) پلٹنے کو کہتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَوْتِدُوا عَلَىٰ ادْبَارِكُمْ﴾ (البائدة: ۲۱)

(اور دیکھنا (مقابلے کے وقت) مرتد نہ ہونا)

یعنی پیٹھ نہ دکھانا۔

شرعی اصطلاح میں ارتداد کے معنی ہیں: "الکفر بعد الإسلام" (اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرنا)، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَنْ يَتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ﴾ (البقرة: ۲۱۷)

اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے مرتد (پھر کر کافر) ہو جائے گا اور
کافر ہی مرے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد
ہو جائیں گے، اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں، جس میں
ہمیشہ رہیں گے
ارتداد کی اقسام

نواقص اسلام کے کسی نقص کے ارتکاب سے یہ ارتداد لازم آتا ہے۔ اور
نواقص کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ قولی ارتداد:

جیسے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (ﷺ) یا اس کے فرشتے یا گزشتہ انبیاء
ﷺ میں سے کسی نبی کو سب و شتم کرنا، یا علم غیب کا دعویٰ کرنا، یا نبوت کا دعویٰ
کرنا، یا جو نبوت کا دعویٰ کرے اس کی تصدیق کرنا یا غیر اللہ سے دعا کرنا، اسے ایسی
بات میں مدد کے لئے پکارنا اور پناہ طلب کرنا جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی قادر
نہیں وغیرہ۔

۲۔ عملی ارتداد:

اس کی مثال بت، شجر و حجر، مزار و مقابر کا سجدہ کرنا، ان کے لئے قربانی کرنا، گندی جگہوں پر قرآن مجید پھینکنا، جادو گری کرنا، اس کو سیکھنا اور سکھانا، اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا اس کی حلت کا عقیدہ رکھتے ہوئے وغیرہ۔

۳۔ اعتقادی ارتداد:

جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی شرکت کا اعتقاد یا پھر اس کا اعتقاد کہ زنا، شراب اور سود حلال ہے، یا پھر روٹی حرام ہے۔ یا نماز واجب نہیں، اس طرح کی تمام وہ چیزیں جن کی حلت یا حرمت یا وجوب پر امت کا قطعی اجماع ہے اور اس سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے۔

۴۔ ارتداد بوجہ شک:

کسی ایسی چیز میں شک کے ذریعہ ارتداد کرنا جس کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ جیسے شرک کی حرمت میں شک کرنا، شراب کی حرمت میں شک کرنا یا روٹی کی حلت میں شک کرنا۔ یا رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت یا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام

میں سے کسی کی رسالت پر شک کرنا یا ان کی سچائی پر شک کرنا یا دین اسلام میں شک کرنا یا موجود دور میں اس کے قابل تہفیز ہونے پر شک کرنا وغیرہ۔

۵۔ ارتداد بوجہ ترک:

جیسے کوئی جان بوجھ کر نماز ترک کرے کیونکہ نبی کریم (ﷺ) کا فرمان ہے: ”بین العبد وبين الكفر والشك ترك الصلاة“^(۱) (صحیح مسلم) (بندے اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا ہے) اور اس کے علاوہ تارک نماز کے کفر پر جو دیگر دلائل ہیں۔

ارتداد ثابت ہو جانے کے بعد اس پر مرتب ہونے والے احکام

۱۔ مرتد کو توبہ کی دعوت دی جائے گی، اگر تین دن کے اندر توبہ کر لے اور اسلام کو گلے سے لگالے تو اس کی توبہ قابل قبول سمجھی جائے گی اور اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

۲۔ اور اگر توبہ کرنے سے انکار کرے تو اس کا قتل واجب ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے:

^۱ مسلم الإیمان (۸۲)، الترمذی الإیمان (۲۶۲۰)، أبو داود السنة (۴۶۷۸)، ابن ماجہ إقامة الصلاة والسنة فيها (۱۰۷۸)، أحمد (۳۷۰/۳)، الدارمی الصلاة (۱۲۳۳)۔

”من بدل دینہ فاقتلوا“^(۱) (البخاری، وأبو داؤد)

(جو اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے اسے قتل کر دو)

۳۔ توبہ کی طرف دعوت کے دوران اس کو اپنے مال پر تصرف کرنے نہیں دیا جائے گا، اگر دوبارہ اسلام قبول کر لے تو وہ مال اس کا ہی ہو گا اور بصورت دیگر یہ مسلمانوں کے بیت المال میں بطور مال فی داخل کر دیا جائے گا اور یہ اس صورت میں ہو گا جب کہ ارتداد پر ہی اس کی موت یا قتل ہو، بعض لوگوں کا تو کہنا ہے کہ مرتد ہوتے ہی اس کے مال و دولت کو مسلمانوں کے کام میں لگا دیا جائے گا۔

۴۔ مرتد کی وراثت ختم ہو جائے گی، یعنی نہ اس کے اقارب اس کے وارث ہوں گے اور نہ ہی وہ کسی کا وارث ہو گا۔

۵۔ ارتداد کی حالت میں مرنے یا قتل ہونے کی صورت میں اس کو غسل نہیں دلایا جائے گا، نہ ہی اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا بھی نہیں جائے گا، بلکہ اسے کافروں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا یا پھر مسلم قبرستان کے علاوہ کسی بھی دوسری جگہ مٹی کے نیچے ڈھانپ دیا جائے گا۔

^۱ البخاری الجہاد والسیر (۲۸۵۴)، الترمذی الحدود (۱۴۵۸)، النسائي تحريم الدم (۴۰۶۰)، أبو داود الحدود (۴۳۵۱)، ابن ماجه الحدود (۲۵۳۵)، أحمد (۲۸۲/۱).

چوتھا باب

توحید کے منافی یا اسے ناقص کرنے والے اقوال و اعمال

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی۔

فصل اول: ہتھیلی و پیالی وغیرہ پڑھ کر اور ستاروں کو دیکھ کر علم

غیب کا دعویٰ کرنا۔

فصل دوم: جادو، کاہن اور نجومی کا پیشہ۔

فصل سوم: مقابر و مزارات پر نذر و نیاز اور ہدیے اور ان کی تعظیم کرنا۔

فصل چہارم: مجسمے اور یادگار نشانیوں کی تعظیم کرنا۔

فصل پنجم: دین کے ساتھ مذاق اور اس کے مقدسات و حرمت کی توہین

فصل ششم: اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے

مطابق فیصلہ دینا۔

فصل ہفتم: قانون سازی اور حلال و حرام ٹھہرانے کے حق کا دعویٰ۔

فصل ہشتم: ملحدانہ تحریکوں اور جاہلی جماعتوں کی طرف انتساب کا حکم۔

فصل نہم: زندگی کے سلسلے میں مادی نقطہ نظر۔

فصل دہم: جھاڑ پھونک و تعویذ گنڈے۔
 فصل یازدہم: غیر اللہ کی قسم، مخلوق کا وسیلہ اور اس کی دہائی۔

فصل اول

ہتھیلی و پیالی وغیرہ پڑھ کر اور ستاروں کو دیکھ کر علم غیب کا دعویٰ کرنا
غیب کا مفہوم:

"ما غاب عن الناس من الأمور المستقبلة والماضية وما لا يرونه"
 (ماضی و مستقبل کی جو چیزیں لوگوں سے غائب و پوشیدہ ہوں یا آنکھوں سے اوجھل
 ہوں انہیں غیب کہا جاتا ہے)، ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص
 ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾

(النمل: ۶۵)

(کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں
 نہیں جانتے)

غیب کا علم صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ہے۔ پھر وہ اپنے اس غیبی علم میں سے اپنے انبیاء و رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو حکمت و مصلحت کی بنا پر مطلع کرتا ہے۔ آیت کریمہ ہے:

﴿عَالِمِ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ

رَّسُولٍ﴾ (الجن: ۲۶، ۲۷)

((وہی) غیب (کی باتیں) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا، (ہاں) جس کو پیغمبروں میں سے پسند فرمائے (تو اس کے آگے غیب کی باتیں بتا دیتا ہے))

یعنی غیبی امور پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے، لہذا اس چنیدہ و برگزیدہ بندے پر وہ جتنا چاہتا ہے علم غیب میں سے ظاہر کرتا ہے، کیونکہ ایک نبی کو معجزات کے ذریعہ اپنی نبوت کی دلیل پیش کرنی پڑتی ہے اور انہی معجزات میں سے اس غیب کی خبر دینا بھی ہے جس پر اللہ تعالیٰ انہیں مطلع فرماتا ہے۔ اس چیز میں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے و انسان دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں، قرآن و حدیث کے دلائل انہی دونوں کو غیب پر مطلع کئے جانے میں محصور کرتے ہیں اور کوئی تیسری مخلوق اس میں شریک نہیں ہوتی۔ لہذا انبیاء و رسولوں کو چھوڑ کر اگر کسی کو کسی بھی وسیلہ و سبب کی بنا پر علم غیب کا دعویٰ ہے تو وہ جھوٹا و کافر ہے۔ چاہے اس کا دعویٰ ہتھیلی پڑھ کر ہو یا بیابلی

پڑھ کر یا پھر کہانت و جادو اور علم نجوم وغیرہ کے ذریعے۔ اس طرح کی چیزیں آج بہت سارے شعبہ باز اور فریبی لوگوں کی طرف سے سامنے آرہی ہیں۔ جو عموماً گمشدہ چیزوں کے بارے میں خبر دینے کی کوشش کرتے ہیں، بعض امراض کے غلط اسباب و علل بتاتے ہیں۔ عموماً جن کا کہنا ہوتا ہے، فلاں نے تم کو کچھ کر دیا ہے لہذا اس کی وجہ سے تم بیمار پڑے ہو، ایسا درحقیقت جن و شیاطین کی خدمت حاصل کر کے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگوں کے سامنے جھوٹ فریب کا سہارا لیتے ہوئے اس کا اظہار کرتے ہیں کہ فلاں فلاں عمل کے ذریعہ یہ سب کچھ بتایا جا رہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: (ہر کاہن کے پاس شیاطین میں سے ایک مُؤکَلّ ہوتا تھا جو اسے آسمان سے چرا کر بہت سی پوشیدہ چیزوں کے بارے میں بتا دیتا تھا، اس میں بھی وہ سچ کے ساتھ جھوٹ ملا کر بتاتا تھا) آگے چل کر فرماتے ہیں کہ (انہی مُؤکَلّ شیطانوں میں سے بعض تو پھل فروٹ، ملائی، حلوے مانڈے اور کھانے وغیرہ بھی حاضر کر دیتا تھا، اور ان میں سے بعض تو اپنے مُؤکَلّ کے سہارے مکہ مکرمہ، بیت المقدس اور دیگر مقامات مقدسہ تک اڑ کر چلا جاتا) ^(۱)۔

غیب سے متعلق اس طرح کی خبر علم نجوم کے ذریعہ بھی ہوتی ہے۔ اس میں فلک کے ستاروں کو دیکھ کر زمین کے حوادث پر استدلال کیا جاتا ہے۔ جیسے ہوا چلنے کے اوقات، بارش کا وقت، قیمتوں میں اتار و چڑھاؤ وغیرہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں نجومیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ستاروں کی گردش، ان کی چال و رفتار، اجتماع و افتراق کو دیکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ان کا کہنا ہے جس نے فلاں ستارہ پر شادی کی تو اس کے ساتھ فلاں چیزیں پیش آئیں گے، جس نے فلاں ستارہ کے وقت سفر کیا تو اس کو فلاں فلاں امور کا سامنا ہوگا، فلاں فلاں ستارہ کے وقت جس کے ہاں پیدائش ہوئی اس کو برکت و نحوست میں سے فلاں فلاں چیزیں حاصل ہوں گی، آج کل کچھ فحش رسائل و جرائد میں اس طرح کی واہیات چیزیں ستاروں اور ستاروں سے متعلق قسمت کے بارے میں خوب چھپ رہی ہیں (جیسے آپ کا یہ ہفتہ کیسا رہے گا وغیرہ)۔

ہمارے یہاں بعض جاہل اور کمزور ایمان والے اس طرح کے نجومیوں کے پاس جاتے ہیں، ان سے اپنی زندگی کے مستقبل کے بارے میں معلوم کرتے ہیں، شادی سے متعلق بھی مستقبل کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جبکہ اس سلسلہ میں شریعت کا واضح بیان ہے کہ جو کوئی بھی علم غیب کا دعویٰ کرے گا یا دعویٰ کرنے والے کی تصدیق کرے گا وہ سراسر مشرک و کافر ہوگا،

کیونکہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت علم غیب میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔ ستارے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار مخلوق ہیں، ان کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ نیک فال و بد فال، موت و حیات، کسی چیز پر دلالت نہیں کرتے^(۱)، یہ سب شیاطین کی حرکتیں ہیں جو آسمان کی خبریں چرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

انبی اکرم (ﷺ) کے دور میں بھی آپ کے فرزند ابراہیم (ؑ) کی موت کے وقت اتفاقاً سورج گرہن ہونے پر لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ کسی عظیم شخصیت کی موت و حیات سے ہی ایسا ہوتا ہے۔ تو نبی کریم (ﷺ) نے اس اعتقاد کی نفی فرمائی اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں جو وہ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے کسی کی موت و حیات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (بخاری) شیخ محمد بن عبدالوہاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی "کتاب التوحید" میں ستاروں کی منازل سے بدونیک شگونی اور علم نجوم کے ابواب قائم کئے ہیں اور فرماتے ہیں: "امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی صحیح میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا سورہ ملک میں فرمان (بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت والا بنادیا) کی تفسیر میں قتادہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین اغراض کے لئے پیدا فرمایا ہے (جو قرآن کریم سے ثابت ہیں) آسمان کی زینت، شیطان کو مارنا اور راستے معلوم کرنے کی علامت۔ جس نے ان تین اغراض کے علاوہ کچھ اور سمجھا تو اس نے زبردست غلطی کی اور اپنا آخرت کا حصہ بھی کھودیا اور ایسی بات کا تکلف کیا جسکا اسے کوئی علم نہیں) اسی طرح فرمایا (ابو موسیٰ اشعری (رحمۃ اللہ علیہ) سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں ایسی ہیں جنہیں وہ کبھی بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ۱۔ اپنے حسب و نسب پر فخر، ۲۔ دوسروں کے نسب پر طعنہ زنی، ۳۔ ستاروں سے بارش کا اعتقاد رکھنا اور ۴۔ نوحہ خوانی۔۔۔" اسی طرح سے بخاری و مسلم میں زید بن خالد الجہنی (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ ایک رات بارش ہوئی تو صبح نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض میرے بندوں نے ایمان کی

فصل دوم

جادو، کاہن اور نجومی کا پیشہ

یہ سارے اعمال و امور حرام اور شیطان کے ایجاد کردہ ہیں۔ جو عقیدہ میں خلل ڈالتے ہیں یا اس میں نقص پیدا کرتے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں بغیر شرکیہ اعمال کے حاصل نہیں ہوتیں۔

حالت میں اور بعض نے کفر کی حالت میں صبح کی، جس نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے بارش دی گئی ہے تو اس نے مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کے تصرف سے کفر کیا، اور جس نے یوں کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کے تصرف (نقل و حرکت) سے بارش دی گئی تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (ط ع)

۱- سحر (جادو):

جادو کی تعریف: "عبارۃً عما خفی ولطُف سببُهُ" (ایک سفلی عمل ہے جس کے اسباب بہت ہی پوشیدہ و باریک ہوتے ہیں) اسے سحر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ سفلی اعمال سے وجود میں آتا ہے۔ جسے ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ سحر میں منتر، جھاڑ پھونک، کچھ کلمات، جڑی بوٹیاں، دھونی وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں۔ سحر کے وجود میں کوئی شک نہیں، بعض سحر دلوں میں اثر کرتا ہے اور بعض جسموں میں، جس کے اثر سے آدمی بیمار بھی پڑ جاتا ہے، اور بعض مر بھی جاتے ہیں، اس سے انسان اور اس کی بیوی کے مابین تفریق بھی کر دی جاتی ہے۔ سحر کا اثر اللہ تعالیٰ کی تقدیری و کائناتی اجازت سے ہے۔ یہ سراسر شیطانی عمل ہے۔ اکثر لوگ تو سحر اس وقت تک سیکھ ہی نہیں سکتے جب تک شرک اور ارواحِ خبیثہ کی من پسند چیز کے ذریعہ سے ان کا تقرب حاصل نہ کر لیں، پھر ان ارواحِ خبیثہ کے من پسند شرکیہ اعمال بجالا کر ان کی خدمت حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے شریعت نے شرک کے ساتھ ہی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے:

”اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: وما هي؟ قال: الإشراك

بالله، والسحر...“ (۱) (البخاری ومسلم)

(سات مہلک چیزوں سے بچو، لوگوں نے سوال کیا: یہ سات چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور سحر۔۔۔)

سحر دو اعتبار سے شرک میں داخل ہے۔

اول: اس میں شیاطین کی خدمت حاصل کی جاتی ہے۔ شیاطین سے تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ شیاطین کی خدمت میں ان کی محبوب و مرغوب چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ جادو گر کی خدمت میں لگا رہے۔ جادو شیاطین کی تعلیمات میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا وَأُبْخِلُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (البقرة: ۱۰۲)

((سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا تھا) بلکہ شیطان ہی کفر کرتے

تھے، لوگوں کو جادو سکھاتے تھے)

دوم: اس کے شرک ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں علم غیب کا

^۱ البخاری الوصایا (۲۶۱۵)، مسلم الإیمان (۸۹)، النسائی الوصایا (۳۶۷۱)، أبو داود الوصایا (۲۸۷۴).

دعویٰ کیا جاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریکِ کار ہونے کا بھی دعویٰ ہوتا ہے۔ جو سراسر کفر و ضلالت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ﴾ (البقرة: ۱۰۲)

(اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں)

جب معاملہ ایسا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سراسر کفر و شرک ہے جو عقیدہ کے خلاف ہے۔ ایسی حرکتوں کے ارتکاب کرنے والے کا قتل واجب ہے۔ جیسے اکابرِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی ایک جماعت نے جادو گروں کو قتل کیا ہے۔ آج کل لوگ جادو اور جادو گروں کے معاملہ میں سستی اور ڈھیل برتنے لگے ہیں، بلکہ اسے اب ایسا فن شمار کر لیا گیا ہے جس پر لوگ فخر کرتے ہیں اور اصحابِ فن کی ہمت افزائی کے لئے انہیں بڑے بڑے انعامات دیئے جاتے ہیں اور جادو گروں کے اعزاز میں محفلیں جمتی ہیں۔ ہزاروں شائقین کو دعوت دے کر ان کی جادو گری دکھائی جاتی ہے ان کے مابین مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ یہ ساری حرکتیں دین سے ناواقفیت اور عقیدہ کے معاملہ میں غفلت و لاپرواہی کا نتیجہ ہیں، جس سے ان شعبہ بازوں جیسے فضول اور گھٹیا لوگوں کو سر پر چڑھنے کا موقع ملتا ہے۔

۲- کاہن و نجومی کا پیشہ :

ان دونوں میں علم غیب اور غیبی امور سے واقفیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے، جیسے آئندہ زمین میں کیا ہونے والا ہے پھر اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ گمشدہ چیز کہاں ہے وغیرہ، ان سب امور میں شیاطین کی خدمت حاصل کی جاتی ہے، خاص طور پر ان شیاطین کی جو آسمانوں سے خبریں چراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ - تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ - يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُهُمْ كَاذِبُونَ﴾ (الشعراء: ۲۲۱-۲۲۳)
 ((اچھا) میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں، ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں، جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں)

(صحیح حدیث کے مطابق) یہ سب کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ شیطان فرشتوں کی باتوں میں سے کچھ چوری چھپے سن لیتا ہے اور کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ پھر کاہن اس بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے۔ پھر لوگ اس ایک سچ بات کی وجہ سے اس کی ساری جھوٹی باتوں کو سچ مان لیتے ہیں۔ جب کہ علم غیب کی معرفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لہذا کوئی اگر دعویٰ کرتا

ہے کہ کہانت یا دیگر ذرائع سے وہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے یا ایسا کہنے والے کی تصدیق کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شریک کار کا اقرار کرتا ہے۔ لہذا کہانت شرک سے خالی نہیں کیونکہ اس میں شیاطین کا ان کی محبوب چیزیں پیش کر کے تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں شرک ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم میں مشارکت و شرکت کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں بھی شرک ہے اس لئے کہ اس میں عبادت کے ذریعہ غیر اللہ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

”من اتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد

صلی اللہ علیہ وسلم“ (۱) (رواہ ابو داؤد)

(جو شخص کسی کاهن کے پاس آتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے تو

در اصل اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کردہ شریعت سے کفر کیا)

آج اس طرف توجہ دینے اور لوگوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جادوگر، کاهن اور عرف و نجومی سب کے سب آج ہمارے عقیدہ سے کھیل رہے

^۱ الترمذی الطہارۃ (۱۳۵)، أبو داود الطب (۳۹۰۴)، ابن ماجہ الطہارۃ و سننہا (۶۳۹)، أحمد (۴۲۹/۲)، الدارمی الطہارۃ (۱۱۳۶)۔

ہیں۔ جو اپنے آپ کو اطباء کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور مریض کو غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز اور قربانی کا حکم دیتے ہیں۔ مثلاً فلاں فلاں صفت کا بکرایا یا مرغا ذبح کیجئے یا پھر مریضوں کے لئے شرکیہ طلاسم، اور شیطانی تعویذ لکھتے ہیں۔ پھر اس کو تختیوں میں محفوظ کر کے مریضوں کی گردنوں میں لٹکاتے ہیں یا گھر کے صندوق میں رکھواتے ہیں۔

اسی طرح بعض تو غیب کی خبر دینے والے اور گمشدہ چیزوں کا پتہ بتانے والے کی حیثیت سے اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ پھر جاہل و گنوار لوگ اس کے پاس آتے ہیں اور گمشدہ چیزوں سے متعلق انہیں سے پوچھتے ہیں، تو یہ انہیں ان کی خبر دیتے ہیں یا اپنے شیطانی مؤکلوں کے ذریعہ حاضر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض حضرات صاحب کشف و کرامات ولی بن کر نمودار ہوتے ہیں جن کی خارق عادات کرامتیں ہوتی ہیں اور بعض شعبہ بازوں کے روپ میں آتے ہیں مثلاً آگ میں کود جاتے ہیں مگر وہ ان پر اثر نہیں کرتی اور نہ ہی جسم کے اندر سلاخیں پوست کرنے سے انہیں کچھ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ اپنے آپ کو گاڑی کے ٹائر تلے ڈال دیتے ہیں اور وہ ان پر سے گزر جاتی ہے مگر انہیں کچھ نہیں ہوتا اس کے علاوہ بہت طرح کی شعبہ بازیاں دکھاتے ہیں جو دراصل جادو اور شیطانی اعمال ہوتے ہیں جو ان کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتے ہیں تاکہ لوگ فتنہ و فساد میں مبتلا ہوں، یا پھر یہ

سب خیالی اعمال ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ یہ خفیہ حیلے اور ایسی نظر بندی ہے جو مہارت کے ساتھ لوگوں کو دکھائی جاتی ہے، جیسے فرعون کے جادو گروں نے لاٹھی اور رسی کے جادو دکھائے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے کچھ بطحائی احمدی رفاعی جادو گروں کے ساتھ مناظرہ میں فرمایا تھا: (شیخ بطحائی رفاعی نے بلند آواز میں کہا: ہمارے ایسے ایسے احوال و کوائف ہیں پھر خارقِ عادات چیزوں مثلاً آگ و غیرہ کا اثر انداز نہ ہونا اور اسے اپنی خصوصیت باور کراتے ہوئے کہا: ان چیزوں کی بناء پر ہمارے ان احوال کو تسلیم کیا جانا چاہیے) اس پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے بلند آواز میں اور غصہ ہو کر شیخ رفاعی سے فرمایا: (میں دنیا کے مشرق و مغرب کے ہر احمدی سے کہنا چاہوں گا کہ انہوں نے آگ میں جو کچھ کیا بعینہ اسی چیز کو میں بھی کر سکتا ہوں۔ اور اس میں جو جل جائے گا اس کو شکست کھانی پڑے گی، یا پھر میں نے کہا تھا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور یہ اس وقت ہو گا جب ہمارے جسم سرکہ اور گرم پانی سے دھو دیئے جائیں گے۔ یہ سن کر امرائے سلطنت اور عام لوگوں نے ہم سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو میں نے کہا ان لوگوں کے کچھ حیلے بہانے ہیں جن کے ذریعہ یہ آگ میں گھس جاتے ہیں مثلاً مینڈک کا تیل، ناریل کا چھلکا، اور طلق پتھر وغیرہ سے کچھ تیار کر کے جسم میں مل لیتے ہیں، یہ سن کر لوگوں نے شور مچایا اس پر

اس شخص نے آگ میں گھسنے کی اپنی قدرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم اور آپ کٹھرے میں لپیٹ دیئے جائیں اور ہمارے جسموں کو کبریت سلائی سے مل دیا جائے میں نے کہا: چلو ٹھیک ہے، پھر بار بار میں تقاضہ کرتا رہا اس پر اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ قمیص نکالے، میں نے کہا اب بھی نہیں یہاں تک کہ ہم گرم پانی اور سرکہ سے نہالیں پھر انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنے وہم کا اظہار کیا اور کہا: جو امیر کو چاہتا ہے وہ لکڑی حاضر کرے، یا لکڑی کا گٹھا حاضر کرے، اس پر میں نے کہا: لکڑی لاتے لاتے دیر ہو جائے گی، لوگ منتشر ہو جائیں گے اس سے اچھا ہے کہ ایک قندیل جلادی جائے پھر میں بھی اور تم بھی دونوں اسی میں اپنی اپنی انگلیاں ڈالیں گے اور یہ عمل انگلیوں کو دھونے کے بعد ہوگا، اس پر جس کی انگلی جلے گی اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہوگی یا وہ مغلوب ہوگا، جب میں نے یہ بات کہی تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ ذلیل و خوار ہوا^(۱)۔

یہ قصہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح کے فریب کار اس طرح کے مکرو فریب اور خفیہ حیلوں سے عام لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں جیسے بالوں سے گاڑی کو کھینچنا، یا اس کے ٹائر تلے اپنے آپ کو ڈال دینا، یا اپنی آنکھوں میں سلاخ پیوست کرنا وغیرہ جیسے شیطانی کرتب دکھانا۔

فصل سوم

مقابر و مزارات پر نذر و نیاز اور ہدیے اور ان کی تعظیم

رسول اللہ (ﷺ) نے شرک کے سارے راستے بند فرمادیئے ہیں اور شرک اور شرکیہ اعمال سے بڑی تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو باخبر کر دیا ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا دروازہ مقابر ہیں، لہذا قبر پر جانے اور وہاں دعاء کرنے کے ایسے ضابطے بنادیئے ہیں کہ آدمی شرک سے محفوظ ہو جائے، اسی طرح اولیاء و صالحین کی محبت و عقیدت میں غلو سے امت کو باخبر فرمادیا ہے۔

۱۔ اولیاء و صالحین کی عقیدت میں غلو سے خبردار کیا گیا کیونکہ ان کی عقیدت میں غلو ہوتے ہوتے ان کی عبادت ہونے لگتی ہے، ارشاد نبوی ہے:

”إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ، فَإِنَّا أَهْلُكَ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوُّ“^(۱)

(احمد، الترمذی، ابن ماجہ)

(غلو سے بچو اس لئے کہ تم سے پہلے جو ہلاک ہوئے وہ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک و برباد ہوئے ہیں)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

^۱ النسائي مناسك الحج (۳۰۵۷)، ابن ماجه المناسك (۳۰۲۹)، أحمد (۳۴۷/۱).

”لا تطرونی کما أطرت النصارى ابن مریم ، إنما أنا عبدٌ فقولوا عبدُ الله

ورسوله“،^(۱) (البخاری)

(میری تعریف میں غلو و مبالغہ نہ کرو، جیسے کہ نصاری نے ابن مریم

(ﷺ) کے لئے کیا اس لئے کہ میں اللہ کا بندہ ہی ہوں لہذا مجھے اللہ کا

بندہ اور اس کا رسول سے پکارو)

۲- رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے جیسے کہ سیدنا ابو

الہیاج الاسدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی

طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: ”ألا أبعثك على ما بعثنى عليه رسول الله صلى

الله عليه وسلم ؟ أن لا تدع تشالاً إلا طمسته ، ولا قبراً مشرفاً إلا سويته“

(مسلم)^(۲) (کیا تمہیں میں اس مہم کے لئے نہ بھیجوں جس مہم کو سر کرنے کے

لئے مجھے رسول اللہ (ﷺ) نے بھیجا تھا، وہ یہ کہ جہاں کہیں کوئی مجسمہ نظر آئے

اسے توڑ ڈالو اور جہاں بھی اونچی قبر دیکھو اس کو برابر کر دو)۔

اسی طرح رسول اللہ (ﷺ) نے قبروں کو پختہ بنانے اور اس پر تعمیر کرنے

سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ سیدنا جابر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے انکا کہنا ہے

^۱ البخاري أحاديث الأنبياء (۳۲۶۱)۔

^۲ مسلم الجنائز (۹۶۹) ، الترمذي الجنائز (۱۰۴۹) ، النسائي الجنائز (۲۰۳۱) ،

أبو داود الجنائز (۳۲۱۸) ، أحمد (۹۶/۱)۔

کہ ”نہی رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - عن تجسیص القبر، وأن یقعد علیہ، وأن ینفی علیہ بناء“ (مسلم) ^(۱) (رسول اللہ ﷺ) نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے یا اس پر چھت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۔ قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب مرض الوفا میں مبتلا ہوئے تو آپ برابر اپنی چادر منہ پر ڈالتے رہے، جب اس سے تکلیف محسوس کرتے تو کھول دیتے، اس حالت میں آپ نے فرمایا: ”لعنة الله على اليهود والنصارى ؛ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، يحذرو ما صنعوا، ولولا ذلك أبرز قبره، غير أنه خشي أن يتخذ مسجداً“ (متفق علیہ) ^(۲) (یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا، آپ ﷺ اپنی امت کو بھی ایسا کرنے سے خبردار فرما رہے تھے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر کو نمایاں کیا جاتا، لیکن (چونکہ) آپ ﷺ کو خدشہ تھا کہ لوگ اسے مسجد بنالیں (اسی لئے ایسا نہیں کیا گیا))۔

^۱ مسلم الجنائز (۹۷۰)، الترمذی الجنائز (۱۰۵۲)، النسائی الجنائز (۲۰۲۷)، أبو داود الجنائز (۳۲۲۵)، أحمد (۳۳۹/۳)۔
^۲ البخاری الصلاة (۴۲۵)، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (۵۳۱)، النسائی المساجد (۷۰۳)، أحمد (۲۷۴/۶)، الدارمی الصلاة (۱۴۰۳)۔

نیز فرمایا:

”أَلَا وَإِنَّ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَخَذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ،

أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ ؛ فَإِنِّي أَنْهَاكُم عَنْ ذَلِكَ“ (۱)

(مسلم)

(اچھی طرح سن لو کہ تم سے پہلے کی قومیں اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد

بنالیتی تھیں۔ خبردار قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں تمہیں اس چیز سے

روک رہا ہوں)

قبروں کو مسجد بنانے کا صاف مطلب ہے قبروں پر نماز پڑھنا چاہے اس پر

مسجد نہ ہو، لہذا ہر وہ جگہ جسے نماز کے لئے مخصوص کیا جائے گی، وہ مسجد ہو جائے

گی، رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

”جَعَلْتُ لِي الْأَرْضَ مَسْجِدًا وَطَهُورًا“ (۲) (البخاری)

(پوری زمین میرے لئے مسجد گاہ اور پاکیزہ بنادی گئی ہے)

لہذا اگر اس پر مسجد بن جائے تو یہ اور بری بات ہے۔

^۱مسلم المساجد ومواضع الصلاة (۵۳۲)۔

^۲البخاري التيمم (۳۲۸) ، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (۵۲۱) ، النسائي الغسل والتيمم (۴۳۲) ، المساجد (۷۳۶) ، أحمد (۳۰۴/۳) ، الدارمي الصلاة (۱۳۸۹)۔

اکثر لوگوں نے ان احکامات کی مخالفت کی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں سے روکا ہے ان کا ارتکاب کیا ہے، اس طرح وہ شرک اکبر و اعمال شرکیہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ قبروں پر مساجد، مزارات و مقامات بنا لیتے ہیں، اور ان پر شرک اکبر کے اعمال ہو رہے ہیں۔ نذر و نیاز ہو رہی ہے، اصحابِ قبر سے منت و مناجات و دعاء و استغاثہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اگر کوئی شخص مقابر سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سنت اور لوگوں کے موجودہ^(۱) اعمال کے مابین جمع کرنے کی کوشش کرے تو اسے جمع بین الضدین کا احساس ہوگا۔ وہ دو ایسی چیزوں کا جمع کرنے والا ہوگا جو کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزار کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن یہ لوگ وہاں ضرور نماز پڑھتے ہیں انہیں مسجد بنانے سے روکا ہے لیکن یہ ضرور مسجد بناتے ہیں اور انہیں مشاہد و یادگار کا نام دیتے ہیں، تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے گھر کا مد مقابل بنادیں، قبروں پر چراغ جلانے سے روکا ہے، لیکن یہ لوگ ضرور قبرستان میں چراغاں کرتے ہیں بلکہ قبر پر چراغاں کرنے کے لئے جائیداد تک وقف کر دیتے ہیں قبرستان یا قبر سے متعلق

^۱ یہ حافظ ابن القیم (رحمہ اللہ) کے دور تقریباً ۷۰۰ھ کی بات ہے، اور اب تو حالت اس سے بھی کئی گنا بدتر ہو چکی ہے۔

جشن منانے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے، لیکن یہ حضرات ٹھیک عید و بقر عید کی طرح مقابر و مزارات میں عید و جشن اور عرس مناتے ہیں۔ اور قبروں کو برابر کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ سیدنا ابو الہیاج الاسدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے ان کا کہنا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ”أَلَا أُبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَنْ لَا تَدْعَ صُورَةَ إِلَّا طَسْتَهَا، وَلَا قَبْرًا مَشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ“ (مسلم)^(۱) (کیا میں تم کو اس مہم کے لئے نہ بھیجوں جس مہم پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا، وہ یہ کہ جہاں کہیں بھی کوئی تصویر دیکھو مٹا دو اور جہاں کہیں کوئی اونچی قبر دیکھو اس کو برابر کر دو)۔

صحیح مسلم میں ایک اور روایت سیدنا ثمامہ بن شفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ”كُنَّا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ بِأَرْضِ الرُّومِ بِرُودُسَ فَتَوَفَّى صَاحِبُنَا، فَأَمَرَ فَضَالَةُ بِقَبْرِهِ فَنَسَوَى، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَأْمُرُ بِتَسْوِيتِهَا“ (ہم فضالہ بن عبید کے ساتھ سرزمین روم میں بردوس نامی جگہ پر تھے کہ ہم میں سے ایک کا انتقال ہو گیا، اس کے دفن کے وقت سیدنا فضالہ نے

^۱ مسلم الجنائز (۹۶۹)، الترمذی الجنائز (۱۰۴۹)، النسائی الجنائز (۲۰۳۱)،
ابو داود الجنائز (۳۲۱۸)، أحمد (۱۴۵/۱)۔

اس کی قبر کو برابر کر دینے کا حکم دیا، پھر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے قبر کو برابر کر دینے کا حکم دیا)

جب کہ قبر پرست لوگ ان دونوں حدیثوں کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، اور اس قدر مبالغہ کیا کہ گھر کی طرح قبروں کو اونچی کرنے ان پر قبہ بنانے لگے۔ پھر علامہ ابن قیم نے آگے فرمایا: (رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور قبروں سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی اور آج کے قبر پرست حضرات کی من گھڑت شریعت کو دیکھو تو دونوں کے مابین کتنا فرق نظر آئے گا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہ مفسد ہیں جن کا شمار مشکل ہے)۔ پھر آپ نے ان مفسد کا قدرے تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں فرمایا: (زیارتِ قبور کے وقت رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں مشروع فرمائی ہیں وہ صرف آخرت کی یاد اور صاحبِ قبر کے لئے دعاء کے ذریعہ اس کے ساتھ نیکی کا معاملہ کیا جائے۔ اس کے لئے اللہ سے رحمت کی درخواست کی جائے۔ اس کے لئے استغفار کی جائے اور عافیت کی دعاء کی جائے، ان باتوں کی وجہ سے زیارت کرنے والا اپنے لئے بھی بھلائی کرتا ہے اور میت کے لئے بھی۔ لیکن قبر پرست مشرکوں نے معاملہ کو بالکل پلٹ دیا دین کو سرے سے بدل دیا، زیارت کا اصلی مقصد شرک کو بنالیا۔ لہذا میت سے اور میت کے واسطے سے دعاء کی جاتی ہے۔ اسی کے توسل سے اپنی ضروریات

مانگی جاتی ہیں۔ ان سے تبرک لیا جاتا ہے۔ دشمنوں پر نصرت کی دعاء کی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ نعوذ باللہ من کل ذلک۔ ان سب حرکات کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ اور میت کو فائدہ پہنچانے کے بجائے الٹے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس میں اگر کچھ بھی نہ ہو پھر بھی شریعتِ اسلامیہ کی برکت سے محرومی تو ہو ہی جاتی ہے۔^(۱)

ان سب سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مقابر و مزارات پر نذر و نیاز چڑھانا، قربانی کرنا شرک اکبر ہے۔ جس کا اصل سبب قبر سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی شریعت اور عمل کی مخالفت ہے، آپ ﷺ نے قبروں پر تعمیر سے منع فرمایا ہے، ان پر مسجد بنانے سے روکا ہے اس لئے کہ جب ان پر قبے بنائے جائیں گے اور پھر ان کے اطراف میں مساجد و مزارات تعمیر کئے جائیں گے تو اسے دیکھ کر جاہل لوگ سمجھیں گے کہ اہل قبور نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں اور جو ان سے مدد چاہتے وہ ان کی مدد کرتے ہیں جو ان کے پاس جاتے ہیں وہ ان کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ یہ سوچ کر یہ جاہل لوگ خوب نذر و نیاز پیش کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ قبریں آج بت کی شکل اختیار کر چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہی کی عبادت کی جا رہی ہے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

”اللهم لا تجعل قبري وثناً يعبد“^(۱) (مالک، احمد)
(اے اللہ! میری قبر کو پرستش کا بت نہ بنا)

رسول اللہ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ بہت سے قبروں کا ایسا حال ہونے والا تھا۔ آج عالم اسلام کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے جو دعاء کی تھی اس کی برکت سے آپ ﷺ کے روضہ اطہر کو اللہ تعالیٰ نے شرک کے شائبہ سے بچا رکھا ہے، اگرچہ آج بھی بعض جہلاء و اہل خرافات مسجد نبوی میں آپ ﷺ کی ہدایات کی مخالفت کر ڈالتے ہیں لیکن روضہ اطہر تک پہنچنے پر قادر نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کا روضہ اطہر آپ کے گھر میں ہے، وہ مسجد میں نہیں ہے اس کے چاروں طرف دیواریں چن دی گئی ہیں۔ جیسے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے قصدے ”نونیۃ“ میں فرمایا:

فأجاب ربُّ العالمين دعاءه وأحاطه بثلاثة الجدران

(رب العالمین نے آپ کی دعاء قبول کر لی اور اس کو تین دیواروں سے گھیر دیا ہے)

فصل چہارم

مجسمے اور یادگار نشانیوں کی تعظیم کا حکم

تماثیل، تمثال کی جمع ہے جس کے معنی مجسمہ کے ہیں اس سے مراد انسانی یا حیوانی یادگیر (ذی روح) جاندار کی شکل کا مجسمہ ہے۔ اور نصب، نصبۃ کی جمع ہے جس کے معنی نشانی، جھنڈا اور پتھر کے ہیں، مشرکین عرب ان نشانیوں کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، یادگار نشانیوں سے مراد وہ انسانی مجسمے ہیں جو مختلف میدانوں اور سڑکوں کے کنارے کسی لیڈر و عظیم شخص کی یادگار میں نصب کئے جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جاندار کی تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے۔ خاص طور پر معزز اشخاص کی جیسے علمائے کرام، شاہانِ عظام، زاهدانِ باصفا، روسائے مملکت و زعمائے اصلاح و غیر ہم، چاہے یہ تصویر کسی تختی، کاغذ، دیوار یا کپڑے پر ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا پھر آج کل کے کیمرے کی یا کسی چیز پر کندہ کی گئی ہو یا مجسمہ کی شکل میں بنائی گئی ہو۔ ہر صورت میں یہ حرام ہے اسی طرح آپ ﷺ نے دیوار و غیرہ پر تصویر لٹکانے، کسی جگہ مجسمہ قائم کرنے یا یادگار نشانی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ یہ شرک کا ذریعہ بنتا ہے، پہلا شرک جو اس سرزمین میں واقع ہوا ہے وہ تصویر اور مجسمہ نصب کرنے کی وجہ سے ہوا ہے وہ اس طرح کہ، ”کان فی قوم نوح رجال صالحون، فلما ماتوا حزن علیہم قومہم، فأوحی الیہم الشیطان: أن انصبوا لی مجالسہم التی کانوا یجلسون فیہا أنصاباً، وسبوا بأسائہم،

ففعلموا ولم تُعبد ؛ حتی إذا هلك أولئك ونسى العلمُ عُبِدَتْ“^(۱) (بخاری)
 (نوح علیہ السلام) کی قوم میں کچھ نیک لوگ تھے جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں کو بڑا غم
 ہوا۔ لہذا شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ جہاں بیٹھا کرتے تھے
 وہاں ان کے مجسمے نصب کر دو اور انہیں ان کے نام سے موسوم کر دو۔ لہذا انہوں
 نے ایسا ہی کیا، لیکن وہ مجسمے اس وقت پوجے نہیں گئے تھے۔ یہاں تک جب وہ
 نسل ختم ہو گئی اور لوگ ان نشانوں کی حقیقت کو بھول گئے، تو ان کی پرستش
 شروع ہو گئی) پھر جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے لوگوں
 کو ان مجسموں کی وجہ سے اٹھنے والے شرک سے روکا تو لوگوں نے ان کی دعوت
 قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور انہی نصب کردہ مجسموں کی عبادت پر مصر رہے جو
 بعد میں بت بن گئے۔ آیت کریمہ ہے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ

وَيَعُوقَ وَنَسُوا ﴿نوح: ۲۳﴾

(اور کہنے لگے اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا ودا اور سواع اور یغوث اور

یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا)

یہ ان لوگوں کے نام ہیں جن کے مجسمے بنائے گئے تھے، تاکہ ان کی یادگار باقی رہے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت قائم رہے۔ ہمیں عبرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے کہ آخر کار ان مجسموں کو نصب کرنے کا انجام کیا ہوا؟ لوگ شرک اکبر میں مبتلا ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی انبیاء و رسولوں کی نافرمانی و عناد کیا، جس کے سبب وہ طوفان سے ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اور خلق اللہ کے نزدیک معتب و مغضوب ہوئے^(۱)، اس نتیجہ سے تصویر کھنچوانے اور مجسمے نصب کرنے کی خطرناکی کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے (صحیح احادیث کے مطابق) نبی اکرم ﷺ نے تصویر کھینچنے والوں یا بنانے والوں پر لعنت بھیجی ہے، اور یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لہذا آپ ﷺ نے تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا اور یہ خبر دی کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہوتی ہے اور یہ سب کچھ تصویر کی خطرناکی اور اس کے فتنہ و فساد اور امت مسلمہ کے عقیدہ میں اس سے بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہے، اس طرح کے مجسمے چاہیں پارک میں نصب کئے جائیں یا سڑک پر یا عام میدانوں میں یہ ہر حال میں

^۱ قوم ابراہیم (علیہ السلام) کا شرک تماثیل کی عبادت اور ان پر معتکف رہنا تھا، بنی اسرائیل کا شرک اس بچھڑے کی مورت کی عبادت تھی جو ان کے لئے سامری نے سونے سے تیار کیا تھا اور نصاریٰ کا شرک صلیب کی عبادت کرنا ہے جو ان کے زعم میں مسیح (علیہ السلام) کی صورت میں ہے۔

شریعت کے نزدیک حرام ہیں۔ اس لئے کہ یہ شرک اور عقیدہ کے فساد کی بنیاد ہے۔

اگر آج کفار اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقیدہ ہی نہیں کہ جس کی حفاظت کی انہیں پرواہ ہو، لیکن ہم مسلمانوں کو ان کے ان مشرکانہ اعمال کی نقل نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ ہمارے پاس عقیدہ و ایمان ہے جو ہماری قوت و سعادت کا سرچشمہ ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ لوگ اس مرحلہ سے گزر چکے ہیں اور توحید و شرک کو اچھی طرح سے سمجھ چکے ہیں، نہیں، بلکہ شیطان آنے والی نسلوں پر نظر رکھتا ہے کہ جب ان میں جہالت پھیل جائے، جیسا کہ اس نے قوم نوح (علیہم السلام) کے ساتھ کیا تھا کہ جب ان کے علماء کرام فوت ہو گئے اور ان میں جہالت افشاں ہو گئی، کیونکہ جو زندہ ہیں وہ فتنہ سے محفوظ نہیں^(۱)، اسی لئے ابراہیم (علیہ السلام) نے یہ دعاء فرمائی:

﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾ (ابراہیم: ۳۵)

(مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے ایک جانب کر دے)

^۱ اسی تعلق سے عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کا مشہور قول بھی ہے کہ "من كان مستنًا ؛ فليستن بمن قد مات ، فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة" (جسے پیروی کرنی ہے تو وہ ان کی پیروی کرے جو فوت ہو چکے ہیں (یعنی سلف) کیونکہ جو زندہ ہیں وہ فتنے سے محفوظ نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح) (ط ع)

پس آپ (ﷺ) اپنے نفس کے فتنے میں پڑ جانے سے بے خوف نہ تھے، بعض سلف کا قول ہے کہ: ”وَمَنْ يَأْمَنُ الْبَلَاءَ بَعْدَ إِبْرَاهِيمَ؟“ (ابراہیم (ﷺ) کے بعد اور کون ہے جو آزمائش و فتنے سے بے خوف ہو سکتا ہے)

فصل پنجم

دین کے ساتھ مذاق اور اس کے مقدسات کی توہین کا حکم

دین کے ساتھ مذاق و استہزا کرنے کا حکم:

دین کے ساتھ مذاق و استہزا کرنے والا مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، اور دائرہ اسلام سے کلیۃً نکل جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَدِرُوا قُدُّ

كُفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ (التوبة: ۶۵، ۶۶)

(کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے

، بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو)

اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کفر ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور

نشانوں کے ساتھ مذاق کفر ہے۔ جو شخص بھی ان امور میں سے کسی ایک کے ساتھ مذاق کرے گا وہ مذکورہ بالا تمام امور کے ساتھ مذاق کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ ان منافقوں نے بھی یہی کیا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا مذاق اڑایا تھا، جن کی وجہ سے یہ آیت کریمہ اتری۔ اس لئے کہ ان امور کے ساتھ مذاق ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ لہذا جو لوگ توحید باری تعالیٰ کو مذاق بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر مردوں کے پکارنے کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، پھر جب توحید کا حکم دیا جاتا ہے اور شرک سے روکا جاتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا

إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾

(الفرقان: ۴۱، ۴۲)

(اور یہ لوگ جب تم کو دیکھتے ہیں تو تمہاری ہنسی اڑاتے ہیں، کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اگر ہم اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ان سے ہم کو بہکا دیتا) (اور ان سے پھیر دیتا))

لہذا رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں شرک سے منع فرمایا تو وہ رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے لگے۔ اس زمانہ سے لے کر آج تک مشرکین برابر انبیائے

کرام (اور ان کے پیروکاروں) کی عیب جوئی کرتے رہتے ہیں۔ انہیں بے وقوف، گمراہ، پاگل کے القاب سے نوازتے رہتے ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ وہ انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں، دراصل ان کے دلوں میں شرک کی عظمت بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی طرح آپ ان لوگوں میں جو مشرکین سے قریب ہیں یہی چیز پائیں گے، انہیں بھی جب توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو اس کے ساتھ مذاق کرنے لگتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل میں بھی عظمتِ شرک گھر کر چکی ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾

(البقرہ: ۱۶۵) اللہ

(اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک بتاتے اور

ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں)

لہذا اگر کوئی شخص اللہ کے بجائے کسی مخلوق کو اسی طرح چاہنے لگے جس طرح اللہ کو چاہا جاتا ہے تو وہ مشرک ہے اللہ کے واسطے محبت، اور اللہ کے ساتھ محبت میں ہمیں فرق کرنا ہوگا۔ لہذا جن لوگوں نے مقابر و مزارات کو بت بنا لیا ہے آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ توحیدِ باری تعالیٰ اور اس کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جن غیر اللہ کو اپنے لئے سفارشی بنا رکھا ہے ان کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اللہ کے نام جھوٹی قسم کھا سکتا ہے، لیکن اس کی جرأت نہیں کر

سکتا کہ اپنے شیخ کے نام کی جھوٹی قسم کھالے، ان میں سے بہتوں کے اندر یہ عقیدہ بیٹھا ہوا ہے کہ شیخ سے مدد چاہنا، چاہے وہ اس کی قبر کے پاس یا کسی دوسری جگہ پر، مسجد میں رات کے آخری پہر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگنے سے زیادہ مفید و کارآمد ہے۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے توحید کی طرف جھکنے والوں کا یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے تو ایسے ہیں جو مسجدوں کو گراتے ہیں اور درگاہوں کی تعمیر کرتے ہیں ان کو آباد کرتے ہیں یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نشانیوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑایا جائے اور شرک کی تعظیم کی جائے^(۱)۔

آج جتنے بھی قبر پرست ہیں سب کے سب اس میں مبتلا ہیں۔

مذاق و استہزا کی دو قسمیں ہیں

۱۔ مذاق صریح: (کھلا ہوا مذاق)

یہ ایسے مذاق کرنے والے ہیں جن کے سلسلہ میں آیت کریمہ نازل ہو چکی ہے۔ مثلاً انکا کہنا ہے کہ ہم نے اپنے ان علماء کی طرح خوش خوراک، جھوٹے اور جنگ کے وقت بزدل نہیں دیکھے یا اسی طرح کے دیگر جملے جو مذاق کرنے والے

عموماً دہرایا کرتے ہیں، اسی طرح بعض کا کہنا کہ یہ تمہارا دین پانچواں دین ہے یا کسی کا کہنا کہ تمہارا دین جھوٹا دین ہے۔

اسی طرح جب نیکی کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے ان کے پاس آتے ہیں تو وہ بطور مذاق کہتے ہیں: لو یہ دیندار لوگ آگئے۔ اس طرح کے بہت سے طریقے ہیں جن کا شمار کرنا نہایت کٹھن ہے اور جو ان کے مذاق سے بھی بڑھ کر ہیں کہ جن کے مذاق پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

۲۔ غیر صریح مذاق: (یعنی کنایہ و اشارہ کا مذاق)

یہ وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، جیسے آنکھ کا اشارہ، زبان کا نکالنا، ہونٹ کا پھیلانا، تلاوت کلام پاک یا سنت نبوی کے پڑھنے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وقت ہاتھ کا دبانا وغیرہ^(۱)۔ اسی طرح کے مذاق میں یہ کلمات بھی داخل ہیں اسلام بیسویں صدی کے لئے موزوں نہیں۔ یہ تو قرونِ وسطیٰ کے لئے صحیح تھا۔ اسلام تحلف و رجعت پسندی کی علامت ہے۔ حدود سزا کے معاملہ میں اس کے اندر بہت ہی زیادہ سختی، سنگ دلی و بربریت ہے، اسلام نے عورتوں پر ظلم کیا ہے، اس کے حقوق ادا نہیں کئے ہیں جیسا کہ اس نے طلاق کو جائز قرار دیا ہے تعددِ زوجات (متعدد بیوی رکھنے) کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ آج کا

انسانی قانون لوگوں کے لئے اسلامی قانون سے بہتر ہے۔ اسی طرح جو لوگ توحید کی طرف بلاتے ہیں، قبر پرستی سے روکتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ انتہا پسند ہیں یا مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں یا پھر یہ وہابی ہیں، یا یہ پانچویں مذہب کے پیروکار ہیں۔ اسی طرح کے ہزاروں اقوال ہیں جو سب کے سب دین اور اہل دین اور عقیدہ صحیحہ کے ساتھ مذاق و استہزاء ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

اسی طرح کسی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والے کو بھی مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں بال میں دین نہیں ہے، یعنی داڑھی کے ساتھ مذاق کے طور پر یہ کہا جاتا ہے، اور اس جیسے دوسرے یہودہ الفاظ نعوذ باللہ من ذلک۔

فصل ششم

اللہ کی شریعت کے علاوہ دوسرے قوانین کے مطابق فیصلہ دینا

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبادت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ اس کی نازل کردہ شریعت سے خوش و راضی ہوں، اور اقوال و افعال، اصول و فروع، لڑائی جھگڑے، اموال و انفس کے معاملات اور دیگر

تمام حقوق میں اختلاف کے وقت ہم صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں اللہ تعالیٰ ہی حاکم اعلیٰ ہے اور فیصلہ کے وقت اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ لہذا احکام و شاہان مملکت کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو حکم نازل فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں جو کچھ فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کریں^(۱)۔ حکمران طبقہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ

النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ۵۸)

^۱ مندرجہ ذیل آیات کے علاوہ فرمایا:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ﴾ (المائدة: ۴۹)

(آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں، اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے اور اکثر لوگ نافرمان ہی ہوتے ہیں)

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ (النساء: ۱۰۵)

(یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔) (ط ع)

(اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو،
اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو)

رعیت کے حق میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾
(النساء: ۵۹)

(مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے
صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف
واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس
کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا
انجام بھی اچھا ہے)

پھر واضح فرمادیا کہ ایمان اور شریعت کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے مطابق
فیصلہ کروانا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَكَّمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ
وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ۶۰)

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک طاغوت (سرکش) کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے اعتقاد نہ رکھیں، اور شیطان (تویہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈال دے)

سے لے کر اس آیت تک فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ۶۵)
(تمہارے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں
منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں
بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہو سکتے)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بہت ہی سختی کے ساتھ ان لوگوں کے ایمان کی نفی کر دی ہے ایسی نفی جسے قسم کے ساتھ مزید تاکید کر دیا گیا ہے جو رسول اللہ (ﷺ) کی جانب اپنا فیصلہ نہیں لے جاتے اور ان کے حکم سے ناراض ہو کر اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ اسی طرح سے ان حکمرانوں کو کفر ظلم اور فسق

سے متصف کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدہ: ۴۴)

(اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے

ہی لوگ کافر ہیں)

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾

(المائدہ: ۴۵)

(اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے

ہی لوگ ظالم ہیں)

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

(المائدہ: ۴۷)

(اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے

ہی لوگ فاسق ہیں)

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت کرنا اور اسی کے مطابق

فیصلہ کرنا اور تمام نزاعات و اختلافات میں اسی کو حکم بنانا فرض و ضروری ہے^(۱)۔

^۱ سابقہ تمام امتوں کو بھی یہی حکم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم کریں، جیسے فرمایا:

علماء کے مابین اجتہادی اختلافات میں بھی اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔
اجتہادی مسائل میں سے جو قرآن و سنت کے موافق ہوں وہی قبول کئے جاسکتے

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا
وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُ
النَّاسَ وَاخْشَوْنَا وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِنَا ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ
الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة: ۴۴)

(ہم نے توراہ نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے، یہودیوں میں اسی
تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) اور اہل اللہ اور علماء
فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا
گیا تھا۔ اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے اب تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ
ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ
بیچو، جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ کافر
ہیں)

﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ﴾ (المائدة: ۴۵)

(اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے
اسی کے مطابق حکم کریں اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ
کریں وہ فاسق ہیں)

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ
مِّن رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى
الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (المائدة: ۶۸)

(آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ
تورات و انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا
گیا ہے قائم نہ کرو، جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے اترا ہے
وہ ان میں سے بہتوں کو شرارت اور انکار میں ہی اور بھی بڑھائے گا، تو آپ
ان کافروں پر غمگین نہ ہوں۔) (ط ع)

ہیں، اس سلسلہ میں کسی طرح کا تعصب اور کسی امام یا مذہب کی طرف داری قابل قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح پرسنل لاہی میں نہیں جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں رائج ہے بلکہ تمام حقوق، مسائل و مشکلات اور مقدمات میں اسی کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا کیونکہ اسلام ایک ایسی مکمل اکائی ہے جس کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ (البقرة: ۲۱۰)

(مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿أَقْتُوا مِنْهُ بَعْضَ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرة: ۸۵)

(کیا بات ہے کہ) تم کتاب (اللہ) کے بعض احکام تو مانتے ہو اور

بعض سے انکار کئے دیتے ہو)

اسی طرح تمام مذاہب اور موجودہ مناجح و جماعتوں کے متبعین پر ضروری ہے کہ اپنے ائمہ اور لیڈروں کے اقوال کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھیں، جو کتاب و سنت کے موافق ہوں انہیں لے لیں اور جو کتاب و سنت کے مخالف ہوں انہیں بلا کسی تعصب و طرف داری کے رد کر دیں، خاص طور پر عقیدہ کی چیزوں میں، اس لئے کہ خود ائمہ کرام نے اس کی وصیت کی ہے، اور تمام مذاہب

کے ائمہ نے یہی کہا ہے۔ لہذا آج جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا پیر و کار نہیں ہو سکتا چاہے اس کی نسبت ان کی طرف کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ

ابْنَ مَرْيَمَ﴾ (التوبة: ۳۱)

(انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب

بنالیا)

یہ آیت کریمہ صرف نصاریٰ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر اس شخص (فرد و جماعت) پر صادق آتی ہے جو نصاریٰ جیسے عمل کا مرتکب ہوتا ہے۔ لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ حکم کرے گا یا پھر خواہشاتِ نفس پر عمل کرتے ہوئے اسے طلب کرے گا تو وہ اسلام و ایمان کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکنے والا ہوگا، اگرچہ اس کو یہ گمان ہو کہ وہ مومن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کرنے والے کا رد فرمایا ہے اور ان کے ایمان دار ہونے کے اس گمان کو جھٹلایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ
يُضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾ (النساء: ۶۰)

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر
نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور
چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک طاغوت (سرکش) کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں
حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے اعتقاد نہ رکھیں اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے
کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈال دے)

آیت کریمہ میں جو لفظ ﴿يَزْعُمُونَ﴾ استعمال ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے
ایمان کی نفی کی جا رہی ہے، کیونکہ یہ لفظ غالباً اس دعویٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے
جس کا کرنے والا اس کے موجبات کو ادا نہ کر کے اور اس کے منافی امور پر عمل
کر کے اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار آیت کے اس حصے
سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَكْفُرُوْا بِهٖ ﴾ (النساء: ۶۰)
(حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کا انکار و کفر کریں)

کیونکہ طاعت کو جھٹلانا اور اس کا کفر کرنا توحید کا ایک رکن ہے، جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت کریمہ میں ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

الْوُثْقَىٰ﴾ (البقرة: ۲۵۶)

(تو جو شخص طاعت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط

کڑا تھام لیا ہے)

اگر بندہ مومن کے اندر یہ رکن توحید نہیں تو پھر وہ موحد نہیں۔ جبکہ توحید ہی ایمان کی بنیاد ہے جس کے وجود سے سارے اعمال درست ہوتے ہیں اور جس کی عدم موجودگی سے تمام اعمال خراب و فاسد ہو جاتے ہیں، مندرجہ ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے یہ بات واضح ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

الْوُثْقَىٰ﴾ (البقرة: ۲۵۶)

(تو جو شخص طاعت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط

کڑا تھام لیا ہے)

شریعت الہی کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کروانے سے جب ایمان کی نفی ہو جاتی ہے اس سے یہ بات خود بخود سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت

الہی کو حکم بنانا، اس کے فیصلہ کو ماننا، ایمان، عقیدہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اس پر عمل کرنا ہر مسلم پر ضروری ہے اسی طرح یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کے حکم کو صرف اس لئے ماننا کہ یہ لوگوں کے فائدہ میں ہے یا اس میں کوئی مصلحت یا امن و سلامتی کی ضمانت ہے سراسر غلط ہے، کیونکہ بعض لوگ صرف اس پہلو پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اور اس پہلی جانب (عبادت کے پہلو) کو بھول جاتے ہیں^(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے خود ایسے لوگوں کی تکمیل فرمائی ہے جو اپنی ذاتی مصلحت یا فائدہ کے لئے شریعت کی پناہ لیتے ہیں اور اس کی عبادت و قربت کے پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

^۱ یہی وجہ ہے کہ بہت سے دنیا پرست لوگ بھی اسلام پسند یا انقلابی جماعتوں کی شانہ بہ شانہ ہوتے ہیں اور خود ان اسلامی سیاسی جماعتوں کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوتی ہے، کیونکہ اگر یہ اسلام کے نفاذ میں مخلص ہوتے تو سب سے پہلی اور بنیادی چیز توحید کو چھوڑ کر شرک و قبرپرستی میں مبتلا نہ ہوتے اور اہل توحید کے درپے آزار نہ ہوتے۔ (ط ع)

﴿وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ﴾

(النور: ۴۸، ۴۹)

(اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (رسول اللہ) ان کا قضیہ چکا دیں تو ان میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے اور اگر (معاملہ) انہی کے حق میں جاتا ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں)

اس طرح کے لوگ انہی چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں جنہیں وہ چاہتے ہیں اور جو ان کی خواہشات کے خلاف پڑتا ہے، اس سے اعراض کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا فیصلہ و مسئلہ لے جانے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں سمجھتے ہیں۔

غیر شرعی فیصلہ دینے والے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾

(البائدہ: ۴۴)

(اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے

ہی لوگ کافر ہیں)

اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ حکم کرنا کفر ہے، لیکن یہ کفر کبھی تو کفر اکبر ہوتا ہے، جس سے انسان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے، اور کبھی کفر اصغر ہوتا ہے جس سے انسان دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا، اب اس کا فیصلہ کہ اس نے کفر اکبر کا ارتکاب کیا ہے یا کفر اصغر کا؟ اس کی حالت کو دیکھ کر کیا جائے گا۔ اگر اس شخص کا اعتقاد ہو کہ شریعت کا حکم ماننا واجب نہیں یا اس میں اس کو اختیار حاصل ہے کہ جس کا چاہے حکم مانے یا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم و شریعت کی توہین کرتا ہے اور یہ اعتقاد کہ دوسرے قوانین اور نظامہائے زندگی اسلامی شریعت سے بہتر ہیں اور شریعت اسلامی موجودہ دور کے لئے موزوں و لائق نہیں ہے یا پھر کفار و منافقین کی رضامندی و خوشنودی کے لئے غیر شرعی حکم کرتا ہے تو یہ کفر اکبر ہے۔ لیکن اگر اس کا اعتقاد ہو کہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرنا فرض ہے اور اس پیش آمدہ مسئلے میں اسے مخصوص شرعی حکم کا پورا علم بھی ہے اس کے باوجود اسے وہ نافذ نہیں کرتا ہے لیکن اس کے پاداش میں اپنے آپ کو مستحق سزا بھی سمجھتا ہے تو ایسا شخص گنہگار ہوگا، اور اس کا کفر کفر اصغر ہوگا۔

لیکن اگر ایک شخص شریعت سے ناواقف ہے اور اسے معلوم کرنے کے لئے اپنے امکان بھر محنت و کوشش کرتا ہے پھر وہ غلط فیصلہ دے دیتا ہے تو ایسے شخص کو خاطی یا خطا کار کہا جائے گا، اس کی محنت و کوشش اور اجتہاد کا حسن نیت کی وجہ سے ایک اجر ملے گا، اور اس کی غلطی کو معاف کر دیا جائے گا^(۱)۔ ایسا کسی خاص مسئلہ ہی میں ہوگا لیکن عام مسائل و معاملات میں مسئلہ اس سے مختلف ہوگا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مجموع الفتاویٰ^(۲) میں فرماتے ہیں: (اگر حاکم دین دار ہے لیکن عدم علم کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرتا ہے تو وہ جہنمی ہے، اور اگر وہ شریعت سے واقف ہے لیکن اس معلوم شدہ حق کے خلاف فیصلہ دیتا ہے تو بھی وہ جہنمی ہے، اور اگر بلا علم و عدل فیصلہ دیتا ہے تو وہ جہنم کا سب سے زیادہ مستحق ہے، ایسا اس وقت ہوگا جب کسی شخص کے مخصوص مسئلہ میں فیصلہ دیتا ہے، لیکن اگر مسلمانوں کے دین و ملت کے کسی عام معاملہ میں اس طرح کا کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے۔ حق کو باطل یا باطل کو حق گردانتا ہے، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دیتا ہے، معروف کو منکر اور منکر کو معروف کہتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) نے جو حکم دیا ہے اس سے وہ روکتا ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) نے جس چیز

^۱ شرح الطحاویة صفحة ۳۶۳ - ۳۶۴ .

^۲ مجموع الفتاوی (۳۵ / ۳۸۸) .

سے روکا ہے اس کا وہ حکم دیتا ہے تو ایسا شخص کچھ اور ہی ہے۔ اس کے سلسلہ میں رب العالمین ہی بہتر فیصلہ کرے گا۔ جو الہ المرسلین مالک یوم الدین ہے، اور دنیا و آخرت کی تمام تعریفیں جس کے لئے زیبا ہیں۔

﴿لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (القصاص: ۸۸)

(اسی کے لئے حکم ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے)

ارشاد باری ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى

الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ (الفتح: ۲۸)

(وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق

دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے، اور حق ظاہر

کرنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے آگے فرمایا: (اس میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں وہ کافر ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص اس بات کو حلال جانتا ہے کہ وہ لوگوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر ایسا فیصلہ دے جسے وہ عدل سمجھتا ہے تو وہ بھی کافر ہے، کیونکہ بلاشبہ ہر مذہب و

ملت عموماً منصفانہ فیصلہ کا حکم دیتی ہے۔ کبھی یہ عدل و انصاف کسی دین میں موجود ہوتا ہے، اور اس دین کے اکابر اسی کا حکم دیتے ہیں، بلکہ خود اسلام کی طرف انتساب کرنے والے بہت سے مسلمان بھی اپنی ایسی عادات کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا جیسے دیہات کے جرگے یعنی اپنے آباؤ اجداد کے فیصلوں کو دیکھ کر ویسا ہی فیصلہ کر دیتے ہیں یا ایسے حکمران ہوتے ہیں جن کی مطلقاً اطاعت کی جاتی ہے اور یہی سمجھا جاتا ہے کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر انہی سے فیصلہ کروانا چاہیے، یہ بھی سراسر کفر ہے، کیونکہ بہت سے لوگ اپنا انتساب اسلام کی طرف کرتے تو ہیں لیکن پھر بھی اپنی جاری و ساری عادات کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں جو ان کے وہ بڑے کرتے آئے ہیں جن کی تابعداری کی جاتی ہے، انہیں اگر اچھی طرح معلوم ہو کہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں لیکن پھر بھی وہ شریعت کے مطابق فیصلے کا التزام نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے خلاف فیصلے کرنے کو حلال سمجھ لیتے ہیں تو ایسے لوگ بھی کافر ہیں^(۱)]] (اور اگر شریعت کے خلاف فیصلوں کو اپنے لئے حلال نہیں سمجھتے) تو وہ جاہل ہیں]]^(۲)۔

^۱ منہاج السنۃ النبویۃ۔

^۲ "والا کانوا جہالاً" کے الفاظ اصل کتاب منہاج السنۃ سے لئے گئے ہیں۔ اور شیخ الاسلام کا یہ نظریہ آپ کی دیگر عبارات سے بھی ثابت ہے۔ (ط ع)

اور شیخ محمد بن ابراہیم (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: (اور جہاں تک اس مندرجہ ذیل صورتحال کا تعلق ہے کہ جسے کفر دون کفر (کفر اصغر جو ملت سے خارج نہیں کرتا) کہا گیا ہے۔ اس طرح کہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف فیصلہ لے جاتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ گنہگار بھی ہے اور اللہ کا جو فیصلہ ہے وہی حق ہے، تو یہ ایسا اس سے محض ایک یا کچھ بار ہی سرزد ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ جو انہیں باقاعدہ و بضابطہ قانون کی حیثیت دیتے ہیں اور جو ان کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں، تو یہ کفر ہی ہے اگرچہ وہ یہ اقرار بھی کرتے ہوں کہ ہم نے غلطی کی اور شریعت ہی زیادہ عدل والی ہے، بہر حال یہ ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والا کفر ہے) (۲)(۱)

۱ 'سماعۃ الشیخ ابن باز (رحمۃ اللہ علیہ) سے علامہ محمد بن ابراہیم (رحمۃ اللہ علیہ) کے اس فتویٰ سے متعلق پوچھا گیا کہ وہ قضیہ معینہ اور تشریع عام میں فرق کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: "محمد بن ابراہیم معصوم عن الخطاء نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی نبی یا رسول ہیں، بلکہ وہ علماء کرام میں سے ایک عالم ہیں جن سے خطاء و صواب دونوں ممکن ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم اور ابن کثیر وغیرہ بھی علماء ہیں جن سے خطاء و صواب دونوں کا احتمال ہے۔ پس ان کے اقوال میں سے جو موافق حق ہوگا اسے لے لیا جائے گا اور جو حق کے خلاف ہوگا اسے اس کے قائل کی طرف پھیر دیا جائے گا۔" [مجلۃ "الفرقان" کویت، عدد (۲۸)] (ط ع)

۲ شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کی تقریر سے لیا گیا، دیکھئے مجموع الفتاویٰ

پس شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک جزئی حکم جس میں تکرار نہ ہو اور اس حکم عام میں فرق کیا ہے جو تمام یا غالب احکام و فیصلوں میں مرجع و منبع ہو، اور اسے مطلقاً ملت اسلامیہ سے خارج کر دینے والا کفر قرار دیا ہے۔ وہ اس لئے کہ جو شریعت اسلامیہ کو ہٹا کر اس کے جگہ وضعی و خود ساختہ قوانین نافذ کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس قانون کو شریعت سے بہتر اور افضل سمجھتا ہے، اور یہ بلاشبہ کفر اکبر ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اور جو توحید کے منافی ہے^(۱)۔

گزشتہ کچھ برسوں سے قطبی (سید قطب کے پیروکاروں) تکفیریوں نے شیخ فوزان و شیخ محمد بن ابراہیم کے مندرجہ بالا کلام کو مطلقاً حکم بغیر ما انزل اللہ کرنے والے حکام پر تکفیر کرنے کی دلیل بنانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ جب یہ بات بہت افشاں ہونے لگی تو خود شیخ فوزان سے اس کے متعلق پوچھا گیا:

سوال: بعض لوگ آپ کی "کتاب التوحید" میں حاکمیت اور حکم بغیر ما انزل اللہ پر کئے گئے کلام سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ آپ ان حکام کی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تکفیر معین کرتے ہیں۔ اور اسی کو لے کر وہ لوگ خلیجی (اور دیگر اسلامی) ممالک کے حکام پر چسپاں کرتے ہیں (یعنی اس تکفیر کا مصداق ٹھہراتے ہیں)؟

جواب: (کچھ مسکرا کر فرماتے ہیں) --- کیا یہ لوگ ابوہرستی میں ایسے کر رہے ہیں؟ --- میرے الفاظ تو کتاب میں بالکل واضح ہیں اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ جو تفصیل (اس باب کے شروع میں) بیان ہوئی وہ ان پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ یعنی جو شریعت کو مکمل طور پر کالعدم قرار دے کر اس کی جگہ وضعی قانون کو نافذ کرتا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ وضعی قوانین کو شریعت سے بہتر سمجھ رہا ہے اور جو ایسا سمجھے تو وہ کافر ہے۔ یہ بات تو خود اسی کتاب میں ذکر ہوئی ہے --- البتہ یہ لوگ کتاب میں سے صرف اپنے فہم کے مطابق وہی بات لیتے ہیں جو ان کے (باطل منہج) کو فائدہ پہنچا سکے اور باقی سارے کلام کو یکسر نظر انداز کر دیتے

فصل ہفتم

ہیں۔ اگر یہ صرف ان الفاظ کو ہی شروع سے پڑھ لیتے تو معاملہ ان پر بالکل واضح ہوجاتا۔

سوال: اور کیا شیخ محمد بن ابراہیم (رحمۃ اللہ علیہ) کے کلام کا بھی یہی مفہوم لیا جائے؟
جواب: ہاں! بالکل اس کا بھی وہی مفہوم ہے۔۔۔ ان کے الفاظ کا (صحیح) مفہوم یہ ہے کہ جو شریعت کو مکمل طور پر کالعدم قرار دے کر اس کے جگہ وضعی قوانین کو نافذ کرتا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس قانون کو شریعت سے بہتر سمجھتا ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جو ان قوانین کا شریعت سے بہتر ہونے کا عقیدہ رکھے تو ایسا شخص تمام لوگوں کے نزدیک بلاشبہ کافر ہے۔

سوال: وہ اس سے خلیجی (اور دیگر اسلامی) ممالک کے حکام مراد لیتے ہیں؟

جواب:۔۔۔ (کتاب میں وارد) الفاظ بالکل واضح ہیں۔ البتہ جہاں تک معین افراد اور حاکم (کی تکفیر) کا معاملہ ہے تو وہ مزید تفتش و تحقیق کا متقاضی ہے۔

سوال: یعنی ثابت یہ ہوا کہ تکفیر معین اور حکم عام میں فرق ہے؟

جواب: جی بالکل، اس میں اور حکم عام میں فرق ہے۔۔۔

سوال: سو آپ کی مراد (کتاب میں) عام حکم تھا (ناکہ حکم معین)؟

جواب: جی، بلاشبہ وہ ایک عام حکم ہے۔ اور وہ لوگ کیا کہتے ہیں کہ "اس سے خلیجی (اور دیگر اسلامی) ریاستوں کے حکام مقصود ہیں؟"

سائل: جی وہ ایسا ہی کہتے ہیں بہر حال وہ ابوا پرستی میں مبتلا ہیں؟

الشیخ: جی ہاں، (یہ تو) ابوا پرستی ہی ہے۔۔۔ کیا یہی اصلاح ہے؟ یعنی خلیجی (اور دیگر مسلم ممالک) کے حکمرانوں کی تکفیر کرنا، کیا اسی طرح سے (حکام اور معاملات کی) اصلاح کی جاتی ہے؟

سائل: نہیں یہ طریقہ تو نہیں۔۔۔

الشیخ: یہ تو کوئی اصلاح نہیں۔۔۔ (بلکہ) یہ تو فتنہ و فساد کی آگ کو بڑھکانے والی باتیں ہیں۔

سائل: جزاکم اللہ خیرا۔ (اختتام گفتگو) [کیسٹ "الأسئلة حول قضية الحاکمية" سے لیا گیا] (ط ع)

قانون سازی اور حلال و حرام ٹھہرانے کے حق کا دعویٰ

ان احکام و تشریعات کو وضع کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جن پر بندوں کی صلاح و فلاح کا دار و مدار ہے اور ان کی عبادات، معاملات اور زندگی کے تمام شعبے جن کے مطابق چلتے ہیں، اور جن کے ذریعہ بندوں کے آپسی لڑائی جھگڑے اور تنازعات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

(الاعراف: ۵۴)

(دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے)

چونکہ وہی جانتا ہے کہ اپنے بندہ کے لئے کیا چیز مفید ہے، لہذا اسی کے مطابق وہ ان کے لئے احکام وضع کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ سب کا رب ہے اس لئے رب ہونے کے ناطے شریعت سازی کا حق بھی اسی کو پہنچتا ہے۔ اور چونکہ تمام بندے اس کے بندے و غلام ہیں اس لئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری ضروری ہے، اس کے احکامات کی پیروی کا پورا فائدہ انہی کی طرف لوٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: ۵۹)
 (اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو، یہ بہت اچھی بات ہے، اور اس کا انجام کار بھی بہترین ہے)
 اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ﴾

(الشوری: ۱۰)

(تم جس بات میں بھی اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہوگا) یہی اللہ میرا رب ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت نکیر فرمائی کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو قانون ساز مانے۔ ارشاد باری ہے:

﴿أَمْرٌ لَهُمْ شُرَكَاءُ شِعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾

(الشوری: ۲۱)

(کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا)

لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ کسی دوسری شریعت کو قبول کرتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ عبادات میں سے جو عبادت اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے مشروع کردہ نہیں وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“^(۱)

(البخاری، مسلم)

(اگر کوئی ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات پیدا کرے گا جو

اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے)

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

”من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد“^(۲) (مسلم)

(اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ عمل مردود ہے)

^۱ البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأفضية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴۶۰۶)، ابن ماجه المقدمة (۱۴)، أحمد (۲۷۰/۶).

^۲ البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأفضية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴۶۰۶)، ابن ماجه المقدمة (۱۴)، أحمد (۲۵۶/۶).

سیاسی معاملات اور لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے سلسلے میں اگر ایسا حکم کیا جائے جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے مشروع نہیں فرمایا تو وہ طاعوتی و جاہلی حکم ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ

يُوقِنُونَ﴾ (البائدة: ۵۰)

(کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے؟)

اسی طرح حلال و حرام قرار دینے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس معاملہ میں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہو اور شائد الہی ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ يَدْعُونَ بِأَسْمَاءِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ

لَمُشْرِكُونَ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

(اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے

ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ ان کے کہے پر چلے تو بے شک
تم بھی مشرک ہوئے)

آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور ان کے حواری کی اطاعت کو حلت و
حرمت کے معاملہ میں شرک قرار دیا ہے۔ اسی طرح سے جو علماء و امراء کی اطاعت
و پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کو حرام کرنے میں یا حرام کردہ کو حلال
کرنے میں تو انہوں نے بھی انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا، ارشاد باری تعالیٰ
ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ
ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا إِلَهُهُ سُبْحَانَهُ
عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبة: ۳۱)

(انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب
بنالیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ
کریں اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک
مقرر کرنے سے پاک ہے)

حدیث شریف^(۱) میں آیا ہے کہ اس آیت کریمہ کو آپ ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو سیدنا عدی بن حاتم الطائی نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ، لسننا نعبدُہم، قال - صلی اللہ علیہ وسلم - : أَلَيْسَ يُحِلُّونَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَتُحِلُّونَهُ، وَيَحْرِمُونَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فَتُحْرِمُونَهُ ؟! قال : بلى، قال النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - : فتلک عبادتہم“ (اے اللہ کے رسول ﷺ!) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ اللہ تعالیٰ کی جن حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں ان کو حلال نہیں سمجھتے؟ اور جن حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں ان کو حرام نہیں سمجھتے؟ سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہی ان کی عبادت (اور انہیں رب بنانا) ہے۔

چنانچہ احکام الہی کو چھوڑ کر حلت و حرمت کے معاملہ میں ان کی اطاعت و پیروی کرنا دراصل ان کی عبادت کرنا ہے اور شرک ہے۔ یہ شرک اکبر ہے جو اس توحید کے خلاف و منافی ہے جس پر کلمہ توحید لا الہ الا اللہ دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ جن چیزوں پر دلالت کرتا ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حلال و حرام قرار

دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ جب اس شخص کا یہ حکم ہے جو حلال و حرام کے معاملے شریعت کی مخالفت جاننے کے باوجود اپنے علماء و مشائخ کی پیروی کرتا ہے حالانکہ وہ دین اور علم کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ان کی غلطی کسی اجتہاد کے سبب ہو جس میں وہ حق بات کو نہیں پاسکے لیکن پھر بھی ان کو ایک اجر ملتا ہے، تو اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو ان خود ساختہ وضعی قوانین کی پیروی کرے جو کفار و ملحدین کے وضع کردہ ہیں، جو باہر سے منگائے گئے ہیں اور عالم اسلام اور وہاں کے مسلم عوام پر زبردستی تھوپے گئے ہیں؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس طرح تو اللہ تعالیٰ کے بجائے کفار و ملحدین کو ارباب من دون اللہ (اللہ کے سوا رب) بنایا جاتا ہے۔ جو ان کے لئے احکام و قوانین وضع کرتے ہیں حرام چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور اسی سے بندوں پر حکومت کرتے ہیں۔

فصل ہشتم

مُحدانہ تحریکوں اور جاہلی جماعتوں کی طرف انتساب کا حکم

۱۔ مُحدانہ تحریکوں جیسے کمیونزم، سیکولرزم، سرمایہ دارنہ نظام وغیرہ جو سراسر کفر والحاد پر مبنی ہیں کی طرف انتساب مذہب اسلام سے ارتداد ہے، ان تحریکوں کی طرف انتساب کرنے والا شخص اگر اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ نفاقِ اکبر ہے، اس لئے کہ منافقین بھی ظاہری طور پر اپنا انتساب اسلام کی طرف کرتے تھے لیکن اندرونی طور پر وہ کافروں کے ساتھ ہوتے تھے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا إِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤْنَ﴾ (البقرة: ۱۴)

(اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم (پیروانِ محمد ﷺ سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِكُمُ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَبْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النساء: ۱۴۱)

(جو تم کو دیکھتے رہتے ہیں کہ اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو فتح نصیب ہو تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تمہارے نہیں تھے اور تم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا نہیں؟)

اس طرح کے دھوکہ باز منافقوں کے ہمیشہ دور رخ ہوتے ہیں۔ ایک رخ سے تو مومنوں سے ملتے ہیں اور دوسرے رخ سے اپنے ملحد بھائیوں کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ ان کی دوزبانیں ہوتی ہیں، ایک کے ذریعہ مسلمانوں سے شناسائی پیدا کرتے ہیں اور دوسری کے ذریعہ اپنے پوشیدہ راز کی ترجمانی کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤْنَ﴾ (البقرة: ۱۴)

(اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم (پیروانِ محمد ﷺ سے) توہنی کیا کرتے ہیں)

یہ کتاب وسنت سے ہمیشہ گزیر کرتے ہیں۔ کتاب وسنت والوں کا مذاق

اڑاتے ہیں۔ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے کتاب و سنت کے احکام کی پیروی سے انہیں چڑھ ہے۔ شریعت سے ان کو ازلی دشمنی ہے یہ اپنے دنیاوی علوم و فنون اور نظامہائے زندگی سے بہت خوش ہیں جبکہ اس نے اب تک انہیں برائی، تکبر و غرور میں ہی مبتلا رکھا ہے۔ لہذا انہیں تم ہمیشہ صریح وحی اور کتاب و سنت کا مذاق اڑاتے ہوئے پاؤ گے۔

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ وَيَبْدُئُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (البقرة: ۱۵)

(ان) (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے اور انہیں مہلت دیے جاتا ہے

کہ شرارت اور سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں)

جب کہ اللہ تعالیٰ نے صراحت سے مومنوں کی طرف اپنا انتساب کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

(التوبة: ۱۱۹)

(اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راستبازوں کے ساتھ رہو)

یہ ملحدانہ تحریکیں آپس میں دست و گریباں ہیں، اس لئے کہ ان کی بنیاد باطل و فتنہ و فساد پر پڑی ہے، جیسے کمیونزم اللہ تعالیٰ (جو سارے جہانوں کا خالق و مالک ہے) کے وجود کا انکار کرتی ہے اور تمام آسمانی مذاہب و ادیان کو دنیا سے مٹانا

چاہتی ہے، جو شخص اپنی دانش میں بلا عقیدہ جینا چاہتا ہے اور تمام بدیہی و عقلی یقینیات کا انکار کرتا ہو دراصل وہ اپنی عقل کا دشمن ہے اور اس سے کام لینا نہیں چاہتا ہے اسی طرح سیکولرزم بھی تمام مذاہب و ادیان کا انکار کرتی ہے اور مادر پدر آزاد مادیت پر اپنی بنیاد رکھتی ہے، جب کہ مادیت ایک ایسا مذہب ہے جس کی حیوانی زندگی کے سوا کوئی غرض و غایت نہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کا تو کہنا ہی کیا؟ اس کا سارا فلسفہ صرف مال جمع کرنے پر قائم ہے چاہے وہ کسی طرح سے بھی آئے۔ اس میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں، فقراء و مساکین اور کمزوروں پر ان کے یہاں کوئی رحم و رافت، شفقت و ہمدردی نہیں، پھر اس کی معیشت و اقتصاد کا سارا دار و مدار سود کی لعنت پر ہے جب کہ سود کھانا اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ جس سے افراد و جماعت اور حکومت و ریاست سب کے سب تباہی و بربادی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ جو فقیر و غریب قوموں کے خون چوسنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان سب کے باوجود بھلا کون چاہے ایمان والا نہ بھی ہو کم از کم عقل رکھنے والا ہی ان نظاموں کے تحت زندگی بسر کرے گا؟ جس میں عقل و دین نام کی کوئی چیز ہی نہیں اور نہ ہی صحیح مقصد زندگی ہے کہ جسے ہدف بنایا جائے اور جس کی خاطر جدوجہد کی جائے۔ ان مذاہب نے اس وقت مسلمان

ممالک پر حملہ کیا جب ان کی اکثریت صحیح دین سے عاری ہو گئی، جس نے ضیاع کاری اور ان (لحدوں) کی محتاجی میں تربیت پائی۔

۲۔ جاہلی، قومی اور نسلی جماعتوں اور پارٹیوں کی طرف انتساب بھی کفر و ارتداد ہے کیونکہ دین اسلام تمام برہمنی عصبیت و جاہلی نعروں کا شدت سے انکار کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)
 (لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے)
 رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”لیس منا من دعا الی عصبیة، ولیس منا من قاتل علی عصبیة، ولیس منا من غضب لعصبیة“^(۱) (الترمذی، وغیرہ)

(وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے، وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے لئے لڑائی کرے، وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے لئے غصہ ہو)

نیز فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُيْبَةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَضَّهَا بِالْأَبَاءِ، إِنَّمَا هُوَ مَنْ تَقَى أَوْ فَاجَرَشَقَى، النَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ خَلْقٌ مِنْ تَرَابٍ، وَلَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَبِيٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَى“ (۱) (مسلم)

(اللہ تعالیٰ نے دورِ جاہلیت کے تکبر اور آباؤ اجداد پر فخر ختم کر دیا ہے اب یا تو کوئی متقی مومن ہوگا، یا بدبخت فاجر، تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں بلکہ فضیلت کا دار و مدار تقویٰ پر ہے)

در اصل یہ جماعتیں اور پارٹیاں مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالتی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیکی و تقویٰ پر اتحاد و اتفاق کا حکم دیا ہے، اور افتراق و انتشار سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

^۱ الترمذی المناقب (۳۹۵۵)، أبو داود الأدب (۵۱۱۶)۔

﴿وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءَ فَلَّافٍ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ﴾

(آل عمران: ۱۰۲)

(اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا، اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے)

اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہو جائیں جو کامیاب و کامران حزب اللہ (اللہ تعالیٰ کی جماعت) ہو۔ لیکن آج عالم اسلام خاص طور پر یورپ کی سیاسی و ثقافتی یلغار کے بعد مختلف جاہلی، نسلی، وطنی عصبیتوں کی لعنت میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اور ان لعنتوں کو ایک علمی مسئلہ، طے شدہ حقیقت اور ناگزیر صورت حال سمجھ کر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ سارے جہان کے مسلم باشندے مغربی افکار کے اثرات سے متاثر ہو کر ان جاہلی عصبیتوں کی طرف تیزی سے بھاگنے لگے ہیں جن کو اسلام نے مٹا دیا تھا اور اس کے گیت گاتے ہیں، اس کے شعار کو زندہ کرتے ہیں اور قبل از اسلام دور پر فخر کرتے ہیں حالانکہ اسلام سے پہلے والے عصبیتی دور کو اسلام نے جاہلی دور کہا ہے اور اب بھی اسی نام سے یاد کرتا ہے اور

اس تاریک ترین دور سے نکالنے پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان جنکایا ہے اور اس عظیم احسان و نعمت کا شکر ادا کرنے پر ان کو ابھارا ہے۔

یہ ایک طبعی بات ہے کہ ایک مومن قدیم یا قریب زمانے کی جاہلیت کا تذکرہ ناپسندیدگی اور کراہیت کے ساتھ کرتا ہے جس سے اسے اتنی شدید نفرت ہوتی ہے کہ رو نگٹے کھڑے ہو جائیں۔ کیا جیل میں سخت ترین سزا کاٹنے والے کے رو نگٹے اس وقت کھڑے نہیں ہو جاتے جب اس کے سامنے جیل کی قید و بند کی صعوبتوں اور ذلتوں کا ذکر کیا جائے؟ اور کیا سخت ترین بیماری اور موت کے منہ سے بچ نکلنے والا شخص اپنی بیماری کا تذکرہ کرتے ہی منہ نہیں بگاڑ لیتا اور اس کے چہرے کی رنگت نہیں تبدیل ہو جاتی؟^(۱) لہذا ہر ایک کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے اور ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں میں یہ گروہ بندیاں دراصل اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جسے وہ اپنی شریعت و مذہب سے اعراض کرنے والوں اور اپنے دین سے بدگمان ہونے والے بندوں پر مسلط کر دیا کرتا ہے۔ فرمان الہی ہے:

^۱ من رسالۃ : (ردة ولا أبا بكر لها) لأبي الحسن الندوي .

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَرْضِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾
(الانعام: ۶۵)

(کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی کا مزہ چکھا دے)

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”وَمَالِمَ تَحْكُمُ اٰتٰتِهِمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَاسَهُمْ بَيْنَهُمْ“^(۱)

(رواہ ابن ماجہ)

(اور جب ان کے ائمہ کرام کتاب اللہ سے حکم نہیں دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو آپس میں لڑا دیں گے)

جماعتوں اور پارٹیوں کے تعصب کی وجہ سے انسان اس حق بات کو قبول نہیں کرتا جو دوسروں کے پاس موجود ہے جیسا کہ یہودیوں کے ہاں پیش آیا، انہی یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أُنزِلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ (البقرة: ۹۱)
(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے (اب) نازل
فرمائی ہے اس کو تو مانو، تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر (پہلے) نازل ہو چکی
ہے ہم تو اسی کو مانتے ہیں (یعنی) یہ اس کے سوا اور (کتاب) کو نہیں
مانتے۔ حالانکہ وہ (سراسر) سچی ہے اور جو ان کی (آسمانی) کتاب ہے
اس کی بھی تصدیق کرتی ہے)

اہل جاہلیت کا بھی یہی حال تھا حق کو چھوڑ کر یہ اپنے آبا و اجداد کی روش پر
پڑے ہوئے تھے اور ان کے نقش قدم سے سرمو انحراف کے لئے تیار نہیں تھے۔
ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا

عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (البقرة: ۷۰)

(اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل
فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں) (نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی
پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا)

آج کے حزبی جماعتی لوگ چاہتے ہیں کہ اپنی اپنی جماعت و پارٹی کو اس اسلام
کی جگہ پر لا کھڑا کریں جو تمام انسانیت پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

فصل نہم

زندگی کے سلسلہ میں مادی نقطہ نظر اور اس کے مفاسد

آج زندگی سے متعلق دو طرح کے نظریے رائج ہیں۔ ایک مادی نظریہ، دوسرا صحیح نظریہ۔ ان دونوں نظریے کے آثار آج لوگوں کی زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۔ مادی نقطہ نگاہ اور اس کی حقیقت :

مادی نقطہ نگاہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان صرف اپنی دنیاوی و فوری لذتوں کے حصول کے پیچھے پڑا ہے اور اس کی ساری تگ و دو، حرکات و نشاط اسی ایک چیز پر مرکوز ہو کر رہ جائے۔ اس کے آگے وہ کچھ سوچتا نہ ہو کہ خواہشاتِ نفس اور لذت پرستی کے پیچھے اس طرح سے دوڑنے کا انجام کیا ہو سکتا ہے، اور اس کی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو صرف آخرت کی کھیتی اور عمل کا گھر بنایا ہے اور آخرت کو جزا و سزا کا گھر بنایا ہے۔ لہذا جو شخص بھی دنیاوی زندگی کو غنیمت جان کر اس میں نیک عمل کرتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں جہاں کے فائدے سے لطف اٹھاتا ہے۔ اور جو اپنی دنیاوی زندگی کو ضائع کر دیتا ہے وہ اپنی آخرت کو بھی کھودیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾

(الحج: ۱۱)

(دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی، یہی تو نقصانِ صریح

ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو یوں ہی بیکار نہیں بنایا ہے بلکہ ایک عظیم حکمت و مصلحت کے واسطے ہی پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

(البلک: ۲)

(اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھا عمل کرتا ہے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ

عَمَلًا﴾ (الکھف: ۷)

(جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کے لئے آرائش بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھا عمل کرنے والا ہے)

اللہ تعالیٰ نے اس زندگی میں اموال و اولاد، جاہ و منزلت، اقتدار و منصب اور دیگر لذائذ میں سے ایسے ایسے عارضی خوشگوار نعمتیں اور ظاہری زیب و زینت کے سامان پیدا فرمائے ہیں جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ لہذا لوگوں میں جن کی نگاہ صرف ان نعمتوں و زینتوں کی ظاہری شکل و صورت پر رہتی ہے، اور زیادہ سے زیادہ ان سے لطف اندوز ہونے پر لگے رہتے ہیں، اور ان کی پوشیدہ حکمتوں کے بارے میں نہیں سوچتے ہیں اور نہ ہی ان کے غلط استعمال کے انجام و عواقب کی پرواہ کرتے ہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر آخرت کا سرے سے انکار ہی کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالُوا إِنَّمَا الْآحْيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾

(الانعام: ۲۹)

(اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور

ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے)

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت و عید سنائی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءََنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا
بِهَآءِ الدِّينِ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ- أُولَٰئِكَ مَا وَهُمْ النَّارُ بِهَا
كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (یونس: ۸، ۷)

(جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور
اسی پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں اور ہماری آیات و نشانوں سے غافل ہو رہے
ہیں، ان کا ٹھکانا ان (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں جہنم ہے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّتْهَا نُوفٌ إِلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ فِيهَا
وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾
(ہود: ۱۵، ۱۶)

(جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں، ہم ان
کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں، اور اس میں ان کی
حق تلفی نہیں کی جاتی، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش
جہنم کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد
اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہوا)

اس وعید و پھٹکار میں اس نظریہ کے جملہ حاملین شامل ہیں۔ چاہے وہ لوگ ہوں جو صرف حصولِ دنیا کے لئے اخروی اعمال کرتے ہیں، جیسے منافقین و ریاکار، یا اہل کفر و الحاد جو سرے سے آخرت اور اس کے حساب و کتاب پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ جیسے زمانہ جاہلیت میں عام لوگوں کا حال تھا، یا پھر آج کل کے باطل و فاسد نظامہائے زندگی، جیسے سرمایہ داری، کمیونزم، سیکولرزم، الحاد وغیرہ۔ زندگی کے سلسلہ میں ان کی نگاہ مادیت سے آگے نہیں بڑھتی، یہ ہر چیز کو حیوانات و بہائم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ بہائم (چوپایوں) سے بھی زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی عقل و آگہی سے کام لینا چھوڑ دیا ہے، اور اپنی پوری طاقت کو مادہ ہی کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اپنا سارا وقت ایسی چیزوں کے حصول کے لئے ضائع کرتے ہیں جو پائیدار نہیں اور اپنے اس انجام کے لئے کچھ نہیں کرتے جو ان کا انتظار کر رہا ہے اور جس سے کسی حال میں ان کو چھٹکارا نہیں۔ یہ حیوانات سے اس لئے بدتر ہیں کہ حیوانات کا کوئی ایسا انجام نہیں جس کا انہیں انتظار ہو اور نہ ہی ان کے پاس عقل و آگہی ہے، برخلاف ان انسانی حیوانات کے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿أَمَرْتُحَسْبُ أَنْ أَكْثَرَهُمْ يَسْعَوْنَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنَّهُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ

بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ (الفرقان: ۴۴)

(کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سننے یا سمجھتے ہیں؟ یہ تو چوپایوں

کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں)

اس طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ گنوار و جاہل اور ان پڑھ سے متصف کرتا

ہے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ-يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ﴾ (الروم: ۷، ۸)

(لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں

اور آخرت کی طرف سے غافل ہیں)

اس نظریہ کے حاملین میں سے بہت سے اگرچہ دنیاوی علوم و فنون کے ماہر

ہوتے ہیں لیکن باطنی طور پر اور حقیقی اعتبار سے یہ جاہل و گنوار ہی ہوتے ہیں۔ علماء

جیسی عزت و شرف والی صف میں ان کو داخل کرنا صحیح نہیں ہے، چونکہ ان کا علم

دنیاوی زندگی کی ظاہری چمک دمک سے آگے تجاوز نہیں کرتا، اسے علم ناقص ہی

کہہ سکتے ہیں، بلکہ علماء کہلانے کے مستحق تو وہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی

معرفت حاصل ہے۔ اس کی خشیت و خوف ان کے اندر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸)

(اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں)

مادی نقطہ نظر میں سے یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قارون اور جو خزائن اسے عطاء فرمائے تھے کے قصہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (القصص: ۷۹)

(تو) (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے، کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے، کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے، وہ تو بڑا ہی صاحبِ نصیب ہے)

اس آیتِ کریمہ میں بیان ہوا ہے کہ مادی نقطہ نگاہ والوں نے قارون کی

طرح بننے کی تمنا کی، اس پر رشک کیا اور اس کو بڑا نصیب والا گردانا، آج کافر ریاستوں کا یہی حال ہے، کافر ریاستوں میں دولت کی ریل پیل ہے، اقتصادی و صنعتی ترقی ہے اس کو دیکھ کر ہمارے بعض کمزور ایمان والے مسلمان بھائی ان کو

پسندیدگی و استحسان کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں اور ان کے کفر و شرک اور برے انجام کی طرف نگاہ نہیں دوڑاتے، اس کے نتیجہ میں لوگ کافروں اور ملحدوں کی تعظیم و تکریم کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی بری عادتوں اور برے اخلاق کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ان کی جدوجہد، کوشش و محبت، ایجاد و اختراع اور قوت و طاقت کی تیار جیسی مفید چیزوں میں ان کی تقلید نہیں کرتے۔

۲۔ زندگی سے متعلق صحیح نظریہ :

زندگی کے بارے میں دوسرا نظریہ یا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ مال و دولت، جاہ و منصب، مادی قوت و طاقت اور تمام دنیاوی چیزوں کو اخروی اعمال کے وسائل سمجھے جائیں اور اس کے لئے ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

دنیا فی ذاتہ بری چیز نہیں ہے، اس کی برائی و اچھائی تو بندہ کے عمل سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔ دراصل دنیا آخرت کا پل ہے۔ دنیا ہی سے جنت کا توشہ لیا جاتا ہے۔ جنت کی بہترین زندگی دنیا میں اچھی کھیتی کرنے ہی سے ملتی ہے۔

دنیا جدوجہد و جہاد و نماز، قیام و صیام اور خیرات و صدقات کا گھر ہے۔

اہل جنت سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾

(الحاقة: ۲۴)

(جو) (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں

مزے سے کھاؤ اور پیو)

گزشتہ ایام یعنی دنیا۔

فصل دہم

دم، جھاڑ پھونک و تعویذ گنڈے

۱۔ دم، جھاڑ پھونک:

الرقی: (دم جھاڑ) کی تعریف: ”جمع رُقِیۃ، وہی: الْعُوذَةُ الَّتِي يُرْقٰی

بِهَا صَاحِبُ الْآفَةِ كَالْحَتَّى وَالصَّرْعِ، وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْآفَاتِ، وَيُسَوِّنُهَا الْعَزَائِمُ“

(یہ رقیہ کی جمع ہے، اس میں منتر وغیرہ پڑھ کر مریضوں، آفت زدوں پر پھونکا جاتا

ہے، جیسے بخار، مرگی، آسیب وغیرہ، اسے عزائم (منتر) بھی کہا جاتا ہے)، اس کی دو

قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

اول: جو شرک سے خالی ہو: بایں طور پر کہ مریض پر قرآن میں سے کچھ پڑھ کر پھونکا جائے یا پھر اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا نام لے کر مریض کے لئے پناہ مانگی جائے۔ یہ قسم جائز ہے، کیونکہ خود آپ ﷺ نے جھاڑ پھونک کیا ہے، اور آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کا حکم بھی دیا ہے۔

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ لہذا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”أعرضوا على رُقامكم، لا بأس بالرق ما لم تكن شركاً“^(۱) (مسلم)

(اپنی جھاڑ پھونک مجھے بھی دکھاؤ اس میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس کے اندر شرک نہ ہو)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: جھاڑ پھونک کے جواز پر علماء کا اجماع ہے، لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔

اول یہ کہ اس میں کلام الہی یا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا صفات استعمال کئے گئے ہوں۔

دوسری یہ ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو اور اس کا مفہوم و معنی واضح ہو۔

اور تیسری شرط یہ کہ جھاڑ پھونک کرنے والے اور کرانے والے دونوں کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ چیزیں بذاتِ خود مؤثر نہیں ہوتی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتی ہیں^(۱)۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ پڑھنا ہے اسے پہلے پڑھ لیا جائے پھر مریض پر پھونکا جائے یا پانی پر پھونکا جائے اور وہ پانی مریض کو پلا دیا جائے۔ جیسے کہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”أخذ ثُرَابًا مِنْ بَطْحَانٍ ، فَجَعَلَهُ فِي قَدَحٍ ، ثُمَّ نَفَثَ عَلَيْهِ بَبَاءٍ وَصَبَّهَ عَلَيْهِ“^(۲) (بطحان سے مٹی لی، اس کو ایک پیالے میں کیا، پانی کے ذریعہ اس پر پھونکا اور پانی کو اس پر انڈیل دیا)۔

دوم: جھاڑ پھونک کی دوسری قسم وہ ہے جس میں شرک پایا جائے۔ اس طرح کے جھاڑ پھونک میں غیر اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے۔ غیر اللہ سے دعا کی جاتی ہے، غیر

^۱فتح المجید ص ۱۳۵ .

^۲(ابو داؤد، کتاب الطب ۳۳۸۷)

اللہ کی دہائی دی جاتی ہے، غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، اس سے پناہ مانگی جاتی ہے، جیسے جن، یافرشتے، یا انبیاء صالحین کے ناموں کو پڑھ کر پھونکنا۔

اس میں کھلے طور پر غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، جو شرک اکبر ہے یا پھر وہ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ہوتا ہے، یا اس کے معنی و مفہوم واضح نہیں ہوتے ہیں، ایسی صورت میں پورا اندیشہ رہتا ہے کہ اس میں شرکیہ و کفریہ کلمات ہوں اور پڑھنے والے کو اس کا علم نہ ہو لہذا اس طرح کے تمام جھاڑ پھونک ممنوع و ناجائز ہیں۔

۲۔ تعویذ گنڈہ:

تمام کی تعریف: ”جمع تیسبہ، وہی: ما یعلق بأعناق الصبیان لدفع العين، وقد یعلق علی الکبار من الرجال والنساء“ (تمام (تعویذ و گنڈا) تمیمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ تعویذ^(۱) ہے جو بچوں کو نظر بد سے بچانے

^۱ تعویذ دراصل اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے عمل کو کہا جاتا ہے جسے کرنے کا حکم ہے جبکہ گلے وغیرہ میں جو دھاگے وغیرہ باندھے جاتے ہیں انہیں تمیمہ کہا جاتا جو کہ حرام ہیں، لیکن بعض مکار اہل شرک و بدعت ہمارے یہاں ان تمام کو حلال بنانے کے لئے ان کا نام تعویذ رکھ کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (ط ع)

کے لئے ان کے گلے میں لٹکائے جاتے ہیں، اور کبھی کبھی مرد و عورت دونوں کے بڑے بوڑھوں پر بھی لٹکائے جاتے ہیں۔

تعویذ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم :

وہ تعویذ جو قرآن میں سے تیار کئے گئے ہوں یا تو ان میں قرآن کی آیتیں لکھی گئی ہوں یا اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات لکھے گئے ہوں اور شفاء حاصل کرنے کے لئے وہ مریض کے بدن کے کسی حصہ میں باندھے جاتے ہوں، یا اس کے گلے میں لٹکائے جاتے ہوں۔ اس طرح کی تعویذ لٹکانے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں ان کی دورائے یاد و اقوال سامنے آئے ہیں۔

پہلا قول: جائز ہے، یہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث کا بھی ظاہری معنی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ سیدنا ابو جعفر الباقر اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس سے منع والی حدیث کو شرکیہ تعویذ پر محمول کیا ہے۔

دوسرا قول: عدم جواز کا ہے یہ سیدنا ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور حذیفہ، عقبہ بن عامر، ابن عکیم رضی اللہ عنہ وغیرہم کا ظاہر قول بھی یہی ہے،

اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی کہنا ہے، ان میں سے اصحاب ابن مسعود اور ایک روایت کے مطابق احمد بھی شامل ہیں جسے ان کے بہت سے اصحاب نے اختیار فرمایا ہے۔ متاخرین نے پورے جزم کے ساتھ عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دلیل بنایا ہے۔ حدیث شریف ہے:

”سمعت رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - یقول: إن الرقى والتائم

والتولة شرك“ (۱) (رواہ أحمد وأبوداود وابن ماجہ والحاکم)

(میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جنتر منتر شرک ہیں)

التولة (جادوئی منتر اور جڑی بوٹی) یہ ایک خاص جادوئی نسخہ ہے، جسے بعض لوگ اس خیال سے بناتے ہیں کہ یہ بیوی کو شوہر کی پیاری اور شوہر کو بیوی کا پیارا بناتا ہے۔

تین وجوہات کی بنا پر دوسرا قول ہی صحیح ہے۔

اول: ہر طرح کی تعویذ سے عمومی طور پر روکا گیا ہے، اور اس عموم کو خاص کرنے والی کوئی چیز موجود نہیں۔

۱ أبو داود الطنب (۳۸۸۳)، ابن ماجہ الطنب (۳۵۳۰)، أحمد (۳۸۱/۱).

دوم: اس کے ذریعہ فتنہ و فساد کا راستہ ہی روک دیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے جواز کے بعد لوگ وہ چیزیں استعمال کرنے لگیں گے جو واقعی مباح نہیں۔

سوم: جب قرآنی آیتوں سے تیار کردہ تعویذ لٹکایا جاتا ہے تو لٹکانے والے سے اس کی بے حرمتی ہو ہی جاتی ہے مثلاً بیت الخلاء یا استنجاء کے وقت اسے اپنے پاس سے الگ نہیں کر پاتا۔ (فتح المجید ص ۱۳۶)

دوسری قسم:

اس میں قرآن مجید کے علاوہ دوسری تمام لٹکانے والی چیزیں آجاتی ہیں، جیسے ٹھیکرے، ہڈیاں، سیپ دھاگے، جوتیاں، کیلیں، شیاطین و جن کے نام اور طلاسم وغیرہ۔ تعویذوں کی یہ قسم سراسر حرام ہے۔ اس میں کھلا شرک ہے، اس لئے کہ اس طرح کی چیزوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات اور قرآنی آیات کے بجائے دیگر چیزوں کے نام لٹکائے جاتے ہیں۔

جب کہ ایک حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

”من تعلق شیئاً وکل الیہ“ (احمد، ابوداؤد)
(جو شخص کسی چیز کو لٹکاتا ہے وہ اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے)

یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اسی چیز کے سپرد کر دیتا ہے اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رہتا ہے اس کی پناہ چاہتا ہے اور اپنے معاملات بھی اس کے سپرد کر دیتا ہے تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ خود کافی ہو جاتا ہے، اس کے ہر دور کو قریب کر دیتا ہے اور ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے اور جو اس کے علاوہ دیگر مخلوقات، تعویذوں و (جادوئی) دواؤں اور مقابر و مزارات کا سہارا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں انہی کے سپرد کر دیتے ہیں جو اسے نفع نہیں پہنچا سکتے ہیں، اس کی وجہ سے اس کا عقیدہ بھی جاتا ہے اور اللہ سے اس کے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

لہذا ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے عقیدہ کی حفاظت کرنی چاہیے اور کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کا عقیدہ بگڑتا ہو یا اس میں انحراف پیدا ہوتا ہو۔ لہذا ناجائز دوائیں استعمال نہ کریں، نجومیوں، کاہنوں، عاملوں اور شعبہ بازوں کے پاس ہر گز ہر گز نہ جائیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ آدمی کو اچھا کرنے کے بجائے اس کے دل کو اور بیمار کر دیتے ہیں اور اس کے عقیدہ کو بگاڑ دیتے ہیں۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

اس طرح کی تعویذیں بعض حضرات خود اپنے اوپر ڈال لیتے ہیں جب کہ انہیں جسمانی طور پر کوئی مرض نہیں ہوتا بلکہ یہ خیالی و وہمی مریض ہوتے ہیں۔

جیسے نظربد، حسد سے خوف وغیرہ۔ کچھ لوگ تو اپنے گاڑی، جانور، گھر کے دروازہ، دوکان پر تعویذ لٹکاتے ہیں۔ یہ سب عقیدہ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی کمزوری ہے اور عقیدہ و اعتقاد میں کمزوری پیدا ہو جانا ہی دراصل سب سے بڑی بیماری ہے جس کا فوری علاج از حد ضروری ہے جو توحید کی معرفت اور عقیدہ صحیحہ کے علم ہی سے ہو سکتا ہے۔

فصل یازدہم

غیر اللہ کی قسم، مخلوق کا وسیلہ اور مخلوق کی

دہائی کے احکام کا بیان

غیر اللہ کی قسم:

قسم کو عربی میں حلف کہا جاتا ہے، اس سے مراد ”توکید الحکم بذکر مُعَظَّم علی وجه الخصوص“ (کسی حکم و فیصلہ کو مؤکد کرنے کے لئے خصوصی طور پر کسی بڑے اور عظیم شخص یا چیز کا نام لینا) ہے، چونکہ غایت درجہ کی تعظیم کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے اس کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھانا یا قسم کے وقت نام لینا جائز نہیں ہے۔

علمائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات کی ہی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کسی حال میں جائز نہیں^(۱) کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے۔ اس کی دلیل سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من حلف بغیر اللہ فقد کفر أو أشرك“^(۲) (رواہ أحمد والترمذی والحاکم)
(جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا)

یہ شرک اصغر ہے لیکن اگر جس کی قسم کھائی جائے وہ قسم کھانے والے کے نزدیک اتنی معزز ہستی ہو کہ بات اس کی عبادت تک پہنچ جائے تو اس کی قسم کھانا شرک اکبر ہے۔ جیسا کہ آج ہمارے قبر پرستوں کا حال ہے۔ یہ لوگ صاحبِ قبر سے اتنا ڈرتے ہیں کہ جتنا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور اس کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نہیں کرتے۔ لہذا ان میں سے کسی کو اگر کسی ولی کی قسم کھانے کو کہا جائے تو اس کی قسم نہیں کھاتا مگر سچی اور اگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کو کہا جائے تو کھالیتا ہے اگرچہ وہ جھوٹا ہو۔ دراصل قسم میں جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی بے حد تعظیم و تکریم ہوتی ہے اور اس طرح کی تعظیم و تکریم صرف اللہ ہی کو

^۱ حاشیہ ابن قاسم علی کتاب التوحید ص ۳۰۳ .

^۲ الترمذی الذکور والأیمان (۱۵۳۵) ، أبو داود الأیمان والذکور (۳۲۵۱) .

زیب دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے میں بھی بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ اور ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُطَعُّ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ﴾ (القلم: ۱۰)
(اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا
ذلیل اوقات ہے)

نیز فرمایا:

﴿وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ﴾ (البائدہ: ۸۹)
((اور تمہیں) چاہیئے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو)

یعنی بوقتِ ضرورت اور سچائی و نیکی کے معاملہ ہی میں قسم کھاؤ اس لئے کہ بہت زیادہ قسم کھانا اور جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے جو کمالِ توحید کے سراسر خلاف ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ (تین اشخاص سے اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک و صاف کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا) اسی حدیث میں آگے یوں آیا ہے:

”وَرَجُلٌ جَعَلَ اللَّهُ بُضَاعَتَهُ لَا يَشْتَرِي إِلَّا بِبَيْعِنِهِ ، وَلَا يَبِيعُ إِلَّا بِبَيْعِنِهِ“^(۱) (رواہ الطبرانی بسند صحیح) (اور وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا سامان بنالیا، لہذا وہ جب کچھ بیچتا ہے تو اس کی قسم کھا کر اور خریدتا ہے تو اس کی قسم کھا کر)

زیادہ قسم کھانے کی جو وعید آئی اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ زیادہ قسم کھانا حرام ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی اور اسماء و صفاتِ مقدسہ کی تعظیم و تکریم مخدوش نہ ہو۔

اسی طرح اللہ کی جھوٹی قسم کھانا بھی حرام ہے، اسے یَمِینِ غَمُوس (ڈبا دینے والی قسم)^(۲) بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے وصف میں فرمایا کہ یہ لوگ حقیقتِ حال سے واقف ہونے کے باوجود جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔

^۱ البخاری الشہادات (۲۵۲۷) ، مسلم الإیمان (۱۰۸) ، الترمذی السیر (۱۵۹۵) ، النسائی البیوع (۴۴۶۲) ، ابن ماجہ التجارات (۲۲۰۷) ، أحمد (۲۵۳/۲) .
^۲ جو اپنے کھانے والے کو پہلے گناہ میں ڈبا دیتی ہے پھر جہنم میں ڈبا دے گی، اور اس میں کسی گزرے ہوئے ماضی کے واقعے کے بارے میں جانتے بوجھتے جھوٹ بولا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام

۱- غیر اللہ جیسے امانت، کعبہ مشرفہ یا نبی کریم ﷺ کی قسم کھانا حرام ہے اور شرک بھی۔

۲- جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھانا بھی حرام ہے (اسے یمین غموس کہا جاتا ہے)۔

۳- اللہ تعالیٰ کی بکثرت قسم کھانا حرام ہے، چاہے وہ اپنی قسم میں سچائی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ بلا ضرورت قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق کرنا ہے۔

۴- ضرورت کے وقت سچائی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا جائز ہے۔

اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے مخلوق کا وسیلہ

التوسل (وسیلہ) کے معنی: ”هو التقرب إلى الشيء والتوصل إليه ، والوسيلة: القربة“ (کسی چیز سے قریب ہونے اور پہنچنے کے ہیں اور وسیلہ قربت کو کہتے ہیں)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (البائدة: ۳۵)

(اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو)

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرنا اور اس کی رضا چاہنا۔

وسیلہ کی دو قسمیں ہیں

قسم اول: مشروع وسیلہ، اس کے بھی چند اقسام ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذُرُّوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ

أَسْمَائِهِ سَیْجِزُوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

(اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو اس کے ناموں سے

پکارا کرو، اور جو لوگ اس کے ناموں میں الحاد (کجی اختیار) کرتے ہیں

ان کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کی سزا پائیں گے)

۲۔ سابقہ ایمان اور ان اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا

جنہیں متوسل (وسیلہ دینے والا) بجا لاچکا ہے۔ اہل ایمان کے بارے میں اللہ

تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ
فَأَمَّا رَبَّنَا فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ
الْأَبْرَارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۳)

(اے رب! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار
رہا تھا، (یعنی اپنے) رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لئے آئے اے
ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو
کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا)

اور جیسا کہ ان تین اشخاص کے متعلق حدیث میں آیا ہے جن پر چٹان کھسک
آئی تھی اور ان کے غار کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ جس سے وہ نکل نہیں پارہے تھے۔
لہذا انہوں نے نیک اعمال کا توسل اختیار کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان سے
چٹان کو کھسکا دیا اور وہ چلتے ہوئے نکل آئے^(۱)۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے ذریعہ توسل اختیار کرنا جیسا کہ سیدنا یونس علیہ السلام نے
کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

^۱ یہ ایک حدیث کا مفہوم ہے جو کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے۔

﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ﴾ (الانبیاء: ۸۷)
 (آخر اندھیروں میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود
 حقیقی نہیں تو پاک ہے)

۴۔ اللہ تعالیٰ کا توسل اپنی کمزوری و ناتوانی، ضرورت و فقر کے اظہار کے ذریعہ جیسا
 کہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے کہا تھا۔ آیت کریمہ ہے:

﴿أَيُّ مَسْنَى الضُّرِّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الانبیاء: ۸۳)
 (مجھے ایذا ہو رہی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے)

۵۔ اللہ تعالیٰ کا توسل و تقرب زندہ بزرگوں اور صالحین کی دعاؤں کے ذریعہ جیسا
 کہ صحابہ کرام کیا کرتے تھے کہ جب خشک سالی آتی تھی تو نبی اکرم (ﷺ)
 سے درخواست کرتے کہ آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دعاء
 فرمائیں، پھر جب آپ (ﷺ) کی وفات ہو گئی تو آپ (ﷺ) کے چچا محترم
 سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ ان کے لئے دعا کرتے
 تھے۔ (بخاری)

۶۔ اللہ تعالیٰ کا توسل اپنے گناہوں کے اعتراف کے ذریعہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي﴾ (القصص: ۱۶)
 (بولے کہ اے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے)

قسم ثانی: غیر مشروع وسیلہ مذکورہ بالا جائز توسل کے علاوہ توسل کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ناجائز ہوگا، جیسے مردوں سے دعا اور سفارش کا توسل، رسول اللہ ﷺ کے رتبہ عالیہ یا دیگر مخلوقات کی ذات یا ان کے حق کے ذریعہ توسل، وغیرہ۔ ناجائز توسل کی بھی متعدد قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مردوں سے دعا مانگنا جائز نہیں

اس لئے کہ مردہ دعا پر قدرت نہیں رکھتا ہے جیسا کہ وہ زندگی میں رکھتا تھا۔ لہذا مردوں سے سفارش طلب کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ سیدنا عمر بن الخطاب، سیدنا معاویہ، اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشک سالی کے مواقع پر استسقاء کے توسل اور سفارش کے لئے انہی حضرات کے پاس گئے جو اس وقت زندہ موجود تھے۔ جیسے سیدنا عباس اور سیدنا یزید بن الاسود رضی اللہ عنہما وغیرہما، لیکن صحابہ کرام نے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ سے روضہ اطہر کے پاس یا روضہ اطہر کے باہر، استسقاء کی درخواست نہیں کی، بلکہ دوسری زندہ ہستی کو پکڑا جیسے سیدنا عباس اور یزید بن الاسود وغیرہما ایسے ہی ایک موقع پر سیدنا عمر نے یہ دعا فرمائی تھی۔ ”اللھم اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیْنَا

فتسقینا، وإِنَّا تَتَوَسَّلُ بَعَمَّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا“^(۱) (اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی کی دعاء) کے ذریعہ وسیلہ پکڑتے تھے تو ہمیں بارش عطاء فرماتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا (کی دعاء) کے توسل سے اس کی درخواست کرتے ہیں لہذا ہمیں بارش عطاء فرما)۔

یہاں پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی جگہ پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کیا، اس لئے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی وفات کے بعد آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اس طرح سے وہ مشروع توسل نہیں لیا جاسکتا تھا جو وہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیات میں لیا کرتے تھے۔

صحابہ کرام ایسا بھی کر سکتے تھے کہ آپ کے روضہ اطہر کے پاس آتے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرنا ہوتا کرتے اگر یہ جائز ہوتا^(۲)، لیکن صحابہ کرام کا اسے ترک کرنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مردوں کا توسل اختیار کرنا صحیح نہیں، نہ تو ان کی دعا کے ذریعہ اور نہ ہی ان کی سفارش کے ذریعہ، اگر توسل و سفارش اور دعاء کے معاملہ میں مردہ و زندہ برابر

^۱ صحیح بخاری ۱۰۱۰، ۳۷۱۰

^۲ مجموع الفتاوی (۱/۳۱۸-۳۱۹)۔

ہوتے تو صحابہ کرام کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر آپ کے چچا محترم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پکڑتے، جو بہر حال آپ کے بلند رتبے کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ یا کسی دوسرے کے مقام و منصب کے ذریعہ تو سل جائز نہیں:

اس سلسلہ کی جو یہ حدیث بیان کی جاتی ہے:

”إِذَا سَأَلْتُمْ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ بِجَاهِي، فَإِنْ جَاهِي عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ“
(جب تم اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو تو میرے جاہ و عزت کے وسیلہ سے مانگو، اس لئے کہ میری جاہ و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم ہے)

یہ حدیث سراسر موضوع و جھوٹی ہے۔ مسلمانوں کی معتبر کتب میں سے کسی میں نہیں ملتی اور نہ ہی کسی محدث نے اسے ذکر کیا ہے^(۱)۔ لہذا جب تک یہ دلیل صحیح ثابت نہ ہو جائے اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ عبادات کے اثبات کے لئے قرآن و حدیث میں سے صریح (صحیح) دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ مخلوق میں سے کسی کی ذات کا توسل جائز نہیں:

بذات فلاں کے توسل سے کہنے میں اگر "ب" قسم کے لئے ہے تو یہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کی قسم کھانا ہے حالانکہ جب مخلوق کا مخلوق پر قسم کھانا جائز نہیں اور وہ شرک ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کی قسم کیسے کھائی جاسکتی ہے! (یعنی اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کے آگے مجبور نہیں)

اور اگر "ب" سبب کے لئے ہے (یعنی فلاں ذات کے سبب) تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے ذریعہ سے سوال کرنے کو دعاء کی قبولیت کے لئے سبب نہیں بنایا، اور نہ ہی اسے اپنے بندوں کے لئے مشروع قرار دیا ہے۔

۴۔ مخلوق کے حق کے ذریعہ توسل دو وجوہات کی بناء پر جائز نہیں:

اول: اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے شمار فضل و احسان فرماتے ہوئے ایسا فرمایا ہے کہ:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: ۷۷)

(اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی یا ہم پر حق ہے کہ ہم مومنوں کی

مدد کریں)

اطاعت گزار کو جو جزا ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے ملتی ہے۔ یہاں بدلہ و عوض کا معاملہ نہیں ہوتا جیسے کہ مخلوق کے مابین عام طور سے ہوتا ہے^(۱)۔

دوم: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مخلوق کو فضل و انعام کو جو حق پہنچتا ہے یہ خصوصی ہے غیر کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لہذا اگر کوئی غیر مستحق شخص مستحق شخص کے توسل سے یہ حق حاصل کرنا چاہے تو یہ ایک بیرونی معاملہ سے توسل چاہنے والا ہوگا، اور یہ عمل اس کو کچھ فائدہ پہنچانے والا نہیں ہوگا۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس کے الفاظ یہ ہے ”أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ“^(۲)

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی محض اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہو، پوچھا گیا کہ آپ بھی فرمایا ہاں جب تک مجھے میرے رب کی رحمت نہیں ڈھانپ لیتی میں بھی نہیں داخل ہو سکتا (صحیح ترغیب و ترہیب ۳۵۹۹) اور دوسری جانب قرآن کریم میں کئی مقامات پر ہے کہ جنت میں داخل ہوجاؤ ان اعمال کے سبب جو تم کیا کرتے تھے۔ (الاعراف: ۳۳، السجدة: ۱۷ اور ۱۹ وغیرہ) تو ان دونوں کے مابین کس طرح سے جمع کیا جائے گا؟ چنانچہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں کہ جنت میں محض عمل کے ذریعہ دخول کی نفی اعمال کے بدلے یا عوض کے اعتبار سے ہے، اور عمل کے ذریعہ دخول کا اثبات سبب کے اعتبار سے ہے یعنی کوئی شخص کتنے بھی عمل کر لے اللہ تعالیٰ کی جنت کی حقیقی قیمت اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا نہیں لا سکتا البتہ عمل سبب ضرور ہیں جنت میں دخول کا۔ لہذا یہاں عوض یا بدلہ اور سبب میں فرق ہے۔ (شرح ریاض الصالحین، باب الاستقامۃ، ح ۸۶) (ط ع)

^۲ ابن ماجہ المساجد والجماعات (۷۷۸)، أحمد (۲۱/۳)۔

(میں سائلین کے حق کے ذریعہ سوال کرتا ہوں)۔ تو یہ حدیث بھی صحیح ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عطیہ العوفی ہے جس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے جیسا کہ بعض محدثین نے فرمایا ہے۔ جس حدیث کا درجہ یہ ہو اس کو عقیدہ کے اس اہم معاملہ میں دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔ پھر اس میں کسی خاص شخص کے حق کا تذکرہ نہیں ہے۔ بلکہ عام طور پر سائلین کے حق کا واسطہ دیا گیا ہے اور سائلین کا حق ہے کہ ان کی مرادیں پوری ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

پھر یہ ایسا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود سے اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے کسی دوسرے نے اس پر واجب قرار نہیں دیا ہے (اور نہ دے سکتا ہے)۔ لہذا اس سے توسل حاصل کرنا خود اللہ تعالیٰ کے سچے وعدہ کے ذریعہ توسل حاصل کرنا ہے نہ کہ کسی مخلوق کے حق کے ذریعہ^(۱)۔

^۱ جیسا کہ قرآن مجید میں مومنوں کی دعاء ہے کہ: ﴿رَبَّنَا وَاتِّبَا مَا وَعَدْنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ (اے ہمارے رب اور ہمیں عطاء کر وہ جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں بروز قیامت رسوا مت فرمانا، بیشک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا)۔ (ط ع)

مخلوق کو پکارنے اور اس سے مدد چاہنے کا حکم

"استعانت" کہتے ہیں "طلب العون والمؤازرة فی الأمر" (مدد چاہنے اور کسی معاملہ میں کسی سے تائید و تقویت حاصل کرنے کو)۔

"استغاثة" کہتے ہیں "طلب الغوث ، وهو إزالة الشدة" (کسی پریشانی و شدت کو دور کرنے کی درخواست کرنے کو)۔

لہذا مخلوق سے استعانت و استغاثة کی دو قسمیں ہیں۔

اول: جتنا مخلوق کے بس میں ہے اتنا ہی اس سے استعانت و استغاثة کرنا جائز ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (البائدة: ۲)

(اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی فرمایا:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ﴾

(القصص: ۱۵)

(تو جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے

میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی)

جنگ وغیرہ کے مواقع پر بھی ایک شخص اپنے انصار و اعوان کو اس طرح کے تعاون و مدد کے لئے پکارتا ہے۔

دوم: جو مخلوق کے بس میں نہ ہو صرف اللہ تعالیٰ ہی اس پر قدرت رکھتا ہو، اس بارے میں مخلوق سے استعانت و استغاثہ کرنا، جیسے مردوں سے استغاثہ کرنا یا مدد مانگنا یا زندوں سے ایسی چیزیں طلب کرنا اور مدد چاہنا جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قدرت رکھتا ہے۔ جیسے مریضوں کی شفا یابی، مصائب کا ازالہ، تکلیف دور کرنا، چنانچہ یہ قسم ناجائز اور شرک اکبر ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک منافق مسلمانوں کو خوب پریشان کیا کرتا تھا منافق کی شرارت دیکھ کر ایک مسلمان نے کہا چلو اس منافق کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کریں یہ سن کر آپ نے فرمایا:

”إِنَّهُ لَا يُسْتَعَاثُ بِي، وَإِنَّمَا يَسْتَعَاثُ بِاللَّهِ“ (الطبرانی)

(مجھ سے مدد طلب نہیں کی جاتی بلکہ مدد تو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جاتی ہے)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے حق میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے کو نا پسند فرمایا حالانکہ آپ (ﷺ) اس پر قادر تھے لیکن توحیدِ خالص کی حفاظت اور شرک کے سدِ ذرائع (راہوں کو بند کرنے) کے لئے اور اپنے رب کے سامنے

تواضع و انکساری اور اپنی امت کو اقوال و افعال میں وسائلِ شرک سے بچانے کے لئے ایسا فرمایا۔ اپنی زندگی میں اس پر قدرت رکھنے کے باوجود جب آپ (ﷺ) نے ایسا فرمایا تو پھر آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد اس کی جرات کیسے کی جاسکتی ہے اور آپ سے وہ چیزیں بھی کیسے طلب کی جاسکتی ہیں جن پر آپ (ﷺ) قادر نہیں ہیں۔ پھر جب یہ چیزیں آپ کے ساتھ جائز نہیں تو کسی دوسرے (ولی یا بزرگ یا غیر) کے ساتھ تو بدرجہ اولی ناجائز ہوں گی۔

پانچواں باب

رسول (ﷺ)، اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق

وجوبی اعتقاد کا بیان

اس باب میں حسب ذیل فصلیں ہوں گی۔

فصل اول: رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم کا وجوب اور آپ کی تعریف میں افراط و تفریط سے ممانعت اور آپ کی قدر و منزلت کا بیان۔

فصل دوم: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کے وجوب کا بیان۔

فصل سوم: رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی مشروعیت کا بیان۔

فصل چہارم: اہل بیت کی فضیلت اور حق تلفی و غلو کے بغیر ان کے ساتھ سلوک کا

بیان۔

فصل پنجم: صحابہ کرام کی فضیلت ان کے بارے میں ضروری اعتقاد اور ان کے

آپسی اختلافات کے سلسلے میں مذہب اہل سنت و جماعت کا موقف۔

فصل ششم: صحابہ کرام اور ائمہ عظام کو برا بھلا کہنے کی ممانعت۔

فصل اول

رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم کا وجوب، آپ کی تعریف میں افراط و

تفریط سے ممانعت اور آپ کی قدر و منزلت کا بیان

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم کا وجوب:

بندہ پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت ضروری ہے، یہ عبادت کی سب سے

عظیم قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

(اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت

کرتے ہیں)

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کا منعم حقیقی ہے۔ جس نے ساری ظاہری و باطنی نعمتوں سے بندوں کو نوازا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے محبت کے بعد اس کے رسول محمد ﷺ سے محبت واجب ہے۔ اس لئے کہ آپ (ﷺ) نے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اس کی معرفت سے ہمکنار کیا، اس کی شریعت کو پہنچایا اور اس کے احکامات کو بیان فرمایا ہے۔ آج مسلمانوں کو جو دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہے وہ اسی رسول رحمت (ﷺ) کی بدولت حاصل ہے۔ کوئی شخص آپ (ﷺ) کی اطاعت اور اتباع کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

”ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةً الْإِيمَانِ ؛ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَأَنْ يُحِبَّ الْبِرَّ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ ، وَأَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يَقْذَفَ فِي النَّارِ“^(۱) (متفق علیہ) (جس کے اندر تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا، وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ) اس کے نزدیک دوسری ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں اور کسی شخص سے محبت کرتا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہو اور کفر کی طرف لوٹنا اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے نکالا ہے ایسا ہی ناپسند کرتا ہو جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے اور اس کے ساتھ لازم ہے اور رتبہ کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر ہے۔ آپ ﷺ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر تمام محبوب چیزوں سے آپ کی محبت کو مقدم رکھنے سے متعلق حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

^(۱) البخاري الإيمان (۱۶) ، مسلم الإيمان (۴۳) ، الترمذي الإيمان (۲۶۲۴) ، النسائي الإيمان وشرائعه (۴۹۸۸) ، ابن ماجه الفتن (۴۰۳۳) .

”لَا يَوْمُنْ أَحَدَكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“^(۱) (متفق علیہ)
(تم میں سے کوئی اس وقت تک پکا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں
اس کی اولاد اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو
جاؤں)

بلکہ ایک حدیث میں تو آیا ہے کہ ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ آپ
ﷺ کو اپنے نفس سے زیادہ محبوب رکھے۔

”أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ
إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّكَ الْآنَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ:
الْآنَ يَا عُمَرُ“^(۲) (البخاری)

(سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ اے اللہ کے
رسول ﷺ)! آپ میرے نزدیک دنیا کی ہر چیز سے محبوب ہیں سوائے
میرے نفس کے، آپ (ﷺ) نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں

^۱ البخاری الإیمان (۱۵)، مسلم الإیمان (۴۴)، النسائي الإیمان وشرائعه (۵۰۱۳)، ابن ماجه المقدمة (۶۷)، الدارمي الرقاق (۲۷۴۱).
^۲ البخاری الإیمان والنذور (۶۲۵۷)، أحمد (۳۳۶/۴).

میری جان ہے جب تک میں تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں
بات نہیں بنے گی۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس وقت آپ
میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں، آپ نے فرمایا: اب صحیح ہے اے عمر)

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت واجب ہے اور اللہ
تعالیٰ کی محبت کے علاوہ دنیا کی ہر چیز کی محبت پر مقدم ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ
ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع اور اس کو لازم ہے^(۱)، اس لئے یہ محبت
بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اسی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت مومن کے
دل میں جتنی بڑھے گی اتنی ہی رسول اللہ ﷺ کی محبت بڑھے گی اور اللہ تعالیٰ کی
محبت اگر گھٹے گی تو رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی گھٹے گی، اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ
کا محبوب ہو گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھی جائے گی۔

^۱ جیسا کہ ارشاد ہوا ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۱) ((اے پیغمبر لوگوں سے)) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو
دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور
تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا (ط ع)

اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھے جانے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی تعظیم و توقیر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور انہی کی اتباع کریں ان کے قول کو ہر ایک کے قول سے مقدم رکھیں اور انکی سنت کی بہت زیادہ تعظیم کریں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: (انسان سے محبت اور اس کی تعظیم اگر اللہ سے محبت اور اس کی تعظیم کے تابع ہے تو وہ جائز ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم، آپ کی یہ محبت و تعظیم دراصل آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے سے محبت اور اس کی تعظیم کی تکمیل ہے۔ آپ ﷺ کی امت آپ (ﷺ) سے محبت اس لئے کرتی ہے کہ آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور آپ (ﷺ) کی تعظیم و تکریم اس لئے کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو یہ عزت و مرتبہ عطاء فرمایا ہے۔ لہذا آپ ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت کا ایک جزو ہے یا اللہ تعالیٰ سے محبت کا نتیجہ ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں اتنی محبت و رعب ڈال دیا تھا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انسان کسی انسان کے لئے اتنا محبوب، موقر و بارعب نہیں ہے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے نزدیک محبوب و موقر و بارعب تھے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کہا تھا کہ قبول اسلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مبغوض

شخص میرے نزدیک کوئی نہیں تھا، لیکن اب قبولِ اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے محبوب ترین اور موقر ترین شخص میرے نزدیک کوئی نہیں، اگر مجھ سے آپ کا حلیہ بیان کرنے کو کہا جائے تو میں کچھ نہیں بول سکتا اس لئے کہ آپ کی توقیر و اجلال میں کبھی آپ کو جی بھر کے نہیں دیکھ سکا۔

سیدنا عروہ بن مسعود نے قریش سے کہا تھا، اے لوگو! اللہ کی قسم میں قیصر و کسریٰ اور دیگر شاہانِ ممالک کے دربار میں گیا ہوں لیکن کسی کو بھی ایسا نہیں پایا کہ اس کے احباب و اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد ﷺ کے احباب و اصحاب ان کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم ان کی تعظیم و تکریم اور اجلال و رعب میں ان سے نظر نہیں ملاتے، جب وہ تھوکتے ہیں تو کسی صحابی کی ہتھیلی ہی میں پڑتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور سینے پر مل لیتے ہیں اور آپ جب وضوء کرتے ہیں تو وہ وضوء کے پانی کے لئے آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔

(جلاء الافہام: ۱۲۰، ۱۲۱)

۲۔ آپ ﷺ کی تعریف میں افراط و تفریط سے ممانعت:

غلو کہتے ہیں ”تجاوز الحد، يُقَالُ: غَلََا غُلُوًّا، إِذَا تَجَاوَزَ الْحَدَّ فِي الْقَدْرِ“ (حد پار کر جانے کو، کوئی شخص جب اندازہ میں حد سے آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کے لئے غلو کا لفظ استعمال ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ (النساء: ۱۷۱)

(اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو)

اور اطراء کہتے ہیں: ”مجاوزۃ الحدّ فی البدح، والكذب فیہ“ (کسی کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور اس میں جھوٹ ملانے کو) اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی قدر و منزلت کے تعین میں حد سے تجاوز ہو جائے۔ بایں طور پر کہ آپ کو عبدیت و رسالت کے رتبہ سے آگے بڑھا دیا جائے اور کچھ الہی خصائص و صفات آپ کی طرف منسوب کر دیئے جائیں۔ مثلاً آپ کو مدد کے لئے پکارا جائے، اور اللہ تعالیٰ کے بجائے آپ (ﷺ) سے استغاثہ کیا جائے اور آپ (ﷺ) کی قسم کھائی جائے۔

اسی طرح آپ کے حق میں مبالغہ سے مراد یہ ہے کہ آپ کی مدح و توصیف میں اضافہ کر دیا جائے، اس چیز سے آپ (ﷺ) نے خود روک دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنِ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا

: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ“ (۱) (متفق علیہ)

(میری حد سے زیادہ تعریف نہ کیا کرو جیسا کہ نصاری نے ابن مریم

ﷺ کے بارے میں کہا ہے شک میں ایک بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ

اور اس کا رسول کہا کرو)

یعنی باطل اوصاف سے میری تعریف نہ کرنا اور میری تعریف میں غلو نہ

کرنا جیسا کہ نصاری نے عیسیٰ ﷺ کی تعریف میں کیا ہے کہ ان کو الوہیت

کے درجہ میں پہنچا دیا، دیکھو تم میری اس طرح تعریف کرو جس طرح کہ میرے

رب نے میری تعریف کی ہے۔ لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہا کرو، یہی وجہ

ہے کہ ایک صحابی نے جب آپ (ﷺ) سے کہا کہ: ”أَنْتَ سَيِّدُنَا، فَقَالَ:

السَّيِّدُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى“ (آپ ہمارے سید (سردار) ہیں تو آپ ﷺ نے

فرمایا: سید تو اللہ تعالیٰ ہے) اور جب انہوں نے کہا کہ: ”أَفْضَلُنَا وَأَعْظَمُنَا طَوْلًا،

فَقَالَ: قُولُوا بِقَوْلِكُمْ، أَوْ بَعْضُ قَوْلِكُمْ، وَلَا يَسْتَجِرِينَكُمْ الشَّيْطَانُ“ (ابوداؤد) (۲)

(ہم میں سے افضل اور سب سے بڑے ہیں اور اس میں بے جا طوالت کر گئے تو

^۱ البخاري أحاديث الأنبياء (۳۲۶۱).

^۲ أبو داود الأدب (۴۸۰۶)، أحمد (۲۵/۴).

آپ (ﷺ) نے فرمایا: جو تم عام طور پر کہتے ہو ویسے ہی کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معاملہ میں شیطان تمہیں حد سے بہکا دے۔

اسی طرح کچھ لوگوں نے آپ سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ”یا خیرنا وابن خیرنا، وسیدنا وابن سیدنا“ (اے ہم میں کے سب سے بہتر اور ہم میں کے سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار و ہمارے سردار کے بیٹے!) یہ سن کر آپ نے فرمایا: ”یا ایہا الناس، قولوا بقولکم، ولا یستھوینکم الشیطان، أنا محمد عبدُ اللہ ورسولہ، ما أحبُّ أن ترفعونی فوق منزلتی التی أنزلنی اللہ عزوجل“ ^(۱) (احمد والنسائی) (اے لوگو! جو تم عام طور پر میرے متعلق کہتے ہو وہی کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکا دے، میں محمد ہوں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اپنی اس قدر و منزلت سے آگے بڑھا دو، جس پر اللہ رب العزت نے مجھے رکھا ہے)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے ہمارے سردار، ہم میں کے سب سے اچھے، ہم میں کے سب سے افضل و اعظم، جیسے الفاظ و تعریف کو ناپسند فرمایا ہے، حالانکہ واقعاً آپ (ﷺ) علی الاطلاق تمام مخلوق میں سب سے افضل و اشرف

ہیں۔ لیکن آپ نے لوگوں کو ایسا کہنے سے صرف اس لئے روک دیا تھا کہ آپ (ﷺ) کے بارے میں لوگ غلو و مبالغہ میں نہ پڑ جائیں اور توحید کی حفاظت ہو سکے۔ آپ (ﷺ) نے اپنے آپ کو صرف دو صفتوں سے متصف کرنے کی ہدایت کی ہے، جو دراصل بندہ کے لئے عبدیت کا سب سے بڑا رتبہ ہے اور جن میں غلو و مبالغہ نہیں اور نہ ہی عقیدہ کے لئے کوئی خطرہ، وہ دو صفتیں ہیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول اور اپنی اس قدر و منزلت سے جس میں رب العالمین نے آپ کو رکھا ہے اونچا کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ آج بہت سے لوگ آپ (ﷺ) کے اس فرمان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، کھلے عام آپ کو پکارتے ہیں آپ سے استغاثہ کرتے ہیں، آپ کی قسم کھاتے ہیں اور آپ سے وہ چیزیں مانگتے ہیں جو صرف اللہ ہی سے مانگی جاتی ہے۔

اسی طرح کی مخالفتیں میلادوں، نعتیہ کلاموں اور نظموں میں خوب خوب ہو رہی ہیں، اس طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کے حق اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔

علامہ ابن القیمؒ نے اس حقیقت کو اپنے ایک قصیدہ نونیہ میں یوں بیان

کیا:

لله حق لا يكون لغيره ولعبد حق هاقان

لا تجعلوا الحقين حقًا واحدًا من غير تمييز ولا فرقان

(اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے جو کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا اور اس کے بندہ کا ایک حق ہے یہ دو علیحدہ حق ہوئے، ان دونوں حقوق کو بغیر امتیاز و دلیل کے ایک حق نہ بناؤ۔)

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی جیسی تعریف کی ہے اور آپ کو جس قدر و منزلت سے نوازا ہے اتنی تعریف کرنے اور اس رتبہ کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے رتبے اور عالی مقام سے نوازا ہے، آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تمام مخلوقات میں آپ (ﷺ) علی الاطلاق سب سے اچھے اور سب سے افضل ہیں۔ آپ تمام انسانوں کے لئے رسول ہیں، جن وانس کے ہر فرد کے لئے آپ نبی و رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ رسولوں میں بھی سب سے افضل ہیں، خاتم النبیین ہیں، آپ (ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ آپ (ﷺ) کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے کھول دیا تھا، آپ (ﷺ) کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا ہے، آپ (ﷺ) کے احکامات کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے ہر

طرح کی ذلت و رسوائی ہے، آپ (ﷺ) صاحبِ مقامِ محمود ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (الاسماع: ۷۹)

(قریب ہے کہ آپ کا رب آپ (ﷺ) کو مقامِ محمود پر فائز کرے)

مقامِ محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کے لئے کھڑا کرے گا تاکہ انہیں ان کا رب اس موقع کی پریشانی و شدت سے آرام پہنچائے، یہ بہت ہی خاص مقام ہے جو صرف آپ (ﷺ) ہی کو عطاء ہوگا، آپ (ﷺ) کے علاوہ کسی نبی کو بھی یہ مقام عطا نہ ہوگا۔

آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اور اللہ کا سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود آپ (ﷺ) کے سامنے آواز بلند کرنے سے لوگوں کو روک دیا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو آپ (ﷺ) کے سامنے اپنی آواز پست رکھتے ہوئے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ إِنَّ الَّذِينَ يَغْضَوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلِتَتَّقُوا لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرٌ عَظِيمٌ إِنَّ

الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنَ الْحُجَرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢-٥﴾

(الحجرات: ۲-۵)

(اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ اللہ کے پیغمبر کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزمائے ہیں، ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (یہ وہ آیات کریمہ ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو رسول اللہ ﷺ کی توقیر و تعظیم اور اجلال و اکرام کا معاملہ کرنے کے آداب سکھائے ہیں، ان کو بتایا کہ آپ (ﷺ) کے سامنے آپ سے زیادہ اپنی آواز کو بلند نہ کریں، نام لے کر آپ کو کوئی شخص نہ پکارے، جیسا کہ عام لوگ پکارے جاتے ہیں، لہذا یا محمد (اے محمد) (ﷺ) نہیں کہا

جائے گا۔ بلکہ نبوت و رسالت کے واسطے سے آپ (ﷺ) پکارے جائیں گے،
لہذا کہا جائے گا اے اللہ کے رسول، اے اللہ کے نبی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

(النور: ۶۳)

(مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک
دوسرے کو بلاتے ہو)

خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو "اے نبی! اے رسول!" کے القاب سے پکارا ہے،
اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں نے آپ (ﷺ) پر درود و سلام بھیجے ہیں اور اللہ تعالیٰ
نے اپنے بندوں کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۶)

(اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی
ان پر درود اور سلام بھیجا کرو)

لیکن نبی ﷺ کی تعریف و توصیف کے لئے کوئی وقت یا کوئی کیفیت
کتاب و سنت کی صحیح دلیل کے بغیر مخصوص نہیں کی جائے گی۔ لہذا آج جو لوگ

میلاد النبی کے جشن و جلوس کا اہتمام کرتے ہیں اور اس تاریخ کو آپ (ﷺ) کی پیدائش کا دن سمجھتے ہیں، یہ بہت ہی ناپسندیدہ بدعت ہے۔

آپ کی تعظیم و تکریم کا تقاضا ہے کہ آپ کی سنت کی تعظیم و تکریم کی جائے اس پر عمل کے وجوب کا اعتقاد رکھا جائے، اور یہ کہ سنتِ رسول قرآن مجید کے بعد تعظیم و عمل کے اعتبار سے پہلے درجہ پر ہے اس لئے کہ سنت بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۴، ۳)
 (اور وہ (رسول ﷺ) خواہشِ نفس سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی الہی ہوتی ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے)

لہذا احادیثِ رسول میں شک پیدا کرنا اس کی شان کو کم کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔ اس کے متن و سند اور طرق کی تصحیح و تضعیف میں کلام، معنی کی تعیین و تشریح بہت ہی احتیاط، علم و تحفظ کے ساتھ کی جانی چاہیے۔ آج بے شمار جہلاء خاص طور پر تعلیم کے ابتدائی مراحل کے نوجوان سنتِ رسول پر زبان درازی کرنے لگے ہیں۔ احادیث کی تصحیح و تضعیف شروع کر دی ہے، اور صرف مطالعہ کے بل بوتے پر راویوں پر جرح کرنے لگے ہیں، یہ خود ان کے لئے اور امت

کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے، انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے اور اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔

فصل دوم

نبی کریم ﷺ کی اطاعت و پیروی کے وجوب کا بیان

نبی اکرم ﷺ کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے لہذا آپ (ﷺ) کے احکامات کو بجالانا اور آپ ﷺ کے منہیات سے باز رہنا واجب ہے آپ (ﷺ) کو اللہ کے رسول ماننے کا یہی تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیتوں میں آپ (ﷺ) کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کبھی تو اللہ تعالیٰ کی پیروی کے ضمن میں جیسے آیتِ کریمہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾

(النساء: ۵۹)

(مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو)

اور کبھی انفرادی طور پر آپ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ بانی ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)
 (جس نے رسول کی اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی)
 اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (النور: ۵۶)
 (اور رسول اللہ کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)
 اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کو وعیدیں سنائی گئی ہیں۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ
 يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ۶۳)
 (تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے (ایسا نہ
 ہو) کہ ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)

یعنی ان کے دلوں میں کفر و نفاق اور بدعت کے فتنے پیدا ہوں گے یا پھر اس
 مادی دنیا ہی میں کوئی دردناک عذاب آگھرے گا، جیسے قتل یا حد یا قید یا پھر اس کے
 علاوہ دیگر فوری سزائیں، اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی اطاعت و اتباع کو بندے
 سے اپنے محبت اور اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنایا ہے۔

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۱)

((اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو ہدایت اور آپ کی نافرمانی کو گمراہی قرار دیا ہے، ارشادِ باری ہے:

﴿وَإِنْ تَطِيعُوا تَهْتَدُوا﴾ (النور: ۵۴)

(اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو ہدایت پاو گے)

نیز فرمایا:

﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (النور: ۵۴)
أَصْلُ مَنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَعِثَ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ﴾ (القصص: ۵۰)

(پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)

اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ آپ امت کے لئے بہترین نمونہ اور اسوہ حسنہ ہیں، ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الحزاب: ۲۱)

(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جسے اللہ تعالیٰ (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والا ہو)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (یہ آیت کریمہ نبی اکرم ﷺ کے تمام اقوال، افعال و احوال کو اسوہ بنانے کی سب سے بڑی دلیل ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے احزاب کے دن لوگوں کو یہ حکم دیا کہ صبر و استقامت، جہاد و مجاہدہ، اور رب العالمین کی طرف سے آسانی و کشادگی کے انتظار میں آپ ﷺ کو اپنا اسوہ حسنہ بنائیں اور قیامت تک کے لئے آپ (ﷺ) ہی کی زندگی کو نمونہ بنائیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کا تذکرہ قرآن مجید کے اندر تقریباً چالیس جگہوں پر کیا ہے، لوگ آپ کی لائی ہوئی سنت و شریعت کی معرفت اور اس کی اتباع کے غذا و پانی سے بھی زیادہ محتاج ہیں۔ غذا و پانی نہ ملنے پر انسان دنیا میں مر جائے گا لیکن رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی نہ ہونے پر دردناک عذاب اور

دائمی بد بختی کا شکار ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام عبادات میں اپنی اقتداء و پیروی اور انہیں اسی ہیئت و کیفیت میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے جس ہیئت میں آپ ادا فرماتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے)

چنانچہ ارشادِ نبی (ﷺ) ہے:

”صلوا کما رأیتہم فی أصلی“^(۱) (البخاری)

(اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے)

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

”خذوا عنی مناسککم“^(۲) (مسلم)

(مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو)

نیز فرمایا:

^۱ البخاری الأذان (۶۰۵) ، مسلم المساجد ومواضع الصلاة (۶۷۴) ، الترمذی الصلاة (۲۰۵) ، النسائی الأذان (۶۳۵) ، أبو داود الصلاة (۸۴۲) ، ابن ماجہ إقامة الصلاة والسنة فیہا (۹۷۹) ، أحمد (۵۳/۵) ، الدارمی الصلاة (۱۲۵۳) .
^۲ النسائی مناسک الحج (۳۰۶۲) .

”من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد“^(۱) (مسلم)
 (جو شخص بھی کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ عمل مردود ہے)
 نیز فرمایا:

”من رغب عن سنتي فليس مني“^(۲) (متفق علیہ)
 (جو شخص میری سنت سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں)
 اس کے علاوہ بھی اور بہت سے نصوص ہیں کہ جن میں آپ (ﷺ)
 کی اقتداء و پیروی کا حکم ہے اور آپ (ﷺ) کی مخالفت و نافرمانی سے منع کیا گیا
 ہے۔

فصل سوم

^۱ البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأفضية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴۶۰۶)،
 ابن ماجه المقدمة (۱۴)، أحمد (۲۵۶/۶).
^۲ البخاري النكاح (۴۷۷۶)، مسلم النكاح (۱۴۰۱)، النسائي النكاح (۳۲۱۷)،
 أحمد (۲۸۵/۳).

رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کی مشروعیت کا بیان

رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا، آپ کا امت پر ایسا حق ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾
(الاحزاب: ۵۶)

(اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو)

یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی (ﷺ) پر صلاۃ (درود) کا مطلب ہے فرشتوں کے سامنے آپ (ﷺ) کی تعریف کرنا اور فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب ہے آپ (ﷺ) کے لئے دعاء کرنا اور لوگوں کے درود بھیجنے کا مطلب ہے استغفار کرنا^(۱)، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی (ﷺ) کی اپنے پاس ملا اعلیٰ میں قدر و منزلت کی خبر دی کہ وہ آپ (ﷺ) کا ذکر اپنے قریبی فرشتوں میں فرماتے ہیں اور یہ کہ فرشتے آپ

^۱ اسے بخاری نے ابی العالیہ سے بیان فرمایا ہے۔

(ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی دونوں کی تعریف آپ کے لئے جمع ہو جائے۔

﴿وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ پر اسلامی سلام بھیجو، لہذا کوئی جب آپ پر سلام بھیجنا چاہے تو صلاۃ (درود) و سلام دونوں بھیجے ان میں سے ایک پر اکتفا نہ کرے۔ لہذا صرف "صلی اللہ علیہ" نہ کہے اور نہ ہی صرف "علیہ السلام" کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ (جیسے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا علیہ الصلاۃ والسلام)

آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم بہت سی جگہوں پر بطور واجب یا سنت مؤکدہ بڑی تاکید سے آیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جلاء الافہام" میں ایسی اکتالیس جگہوں کا تذکرہ کیا ہے جہاں آپ (ﷺ) پر درود بھیجنا ثابت ہے، اس کی پہلی جگہ جو کہ سب سے اہم و مؤکد ترین بھی ہے وہ آخری تشہد ہے۔ اس موقع پر درود پڑھنے کی مشروعیت کے بارے میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہے البتہ اسکے وجوب کے بارے

میں اختلاف ہے^(۱)۔ انہی جگہوں میں ایک قنوت کے آخر میں، خطبوں میں جیسے خطبہ جمعہ، عیدین واستسقاء، اسی طرح سے مؤذن کا جواب دینے کے بعد، دعاء کے وقت، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت اور آپ ﷺ کا ذکر آتے وقت۔ پھر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ (ﷺ) پر درود بھیجنے کے چالیس فائدہ گنوائے ہیں^(۲)۔ انہی فائدوں میں سے کچھ یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل، اللہ تعالیٰ کی طرف درود بھیجنے والے کے لئے ایک درود پر دس رحمتیں، دعاء کی قبولیت کی امید جب دعاء سے پہلے درود بھیجا جائے۔ پھر جب درود کے ساتھ وسیلہ کا سوال کیا جائے تو یہ آپ ﷺ کی سفارش کا سبب بنتا ہے، یہ گناہوں کی معافی کا سبب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے درود کا جواب دیئے جانے کا بھی سبب ہے۔ پس اللہ تعالیٰ درود و سلام بھیجے اس رسولِ کریم پر۔

فصل چہارم

^۱ جلاء الأفہام ص ۲۲۲، ۲۲۳۔

^۲ جلاء الأفہام ص ۳۰۲۔

اہل بیت کی فضیلت اور حق تلفی یا غلو کے بغیر ان کے ساتھ سلوک کا بیان
 اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ آل و اولاد ہیں جن پر صدقہ
 حرام ہے، ان میں سیدنا علی کی اولاد، سیدنا جعفر کی اولاد، سیدنا عقیل کی اولاد،
 سیدنا عباس کی اولاد، بنو حارث بن عبد المطلب اور نبی اکرم ﷺ کی تمام ازواج
 مطہرات اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
 تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

(اے) پیغمبر کے) اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل
 کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں لکھتے ہیں: (قرآن مجید میں جو تدبر
 کرے گا اس کو کبھی بھی اس بات میں شک نہیں ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی
 ازواج مطہرات بھی مذکورہ آیت کریمہ کے ضمن میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ
 سیاق کلام ان کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فوراً بعد فرمایا:

﴿وَإِذْ كُنَّا مَائِثًا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾

(الاحزاب: ۳۴)

(اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں یعنی حدیث) ان کو یاد رکھو

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں میں کتاب و سنت میں سے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر نازل فرماتا ہے اس پر عمل کرو، سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس نعمت کو یاد کرو جو اور لوگوں کو چھوڑ کر تمہارے لئے خاص کی گئی ہے۔ یعنی وحی تمہارے گھروں میں نازل ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس نعمت سے مالا مال تھیں اور اس عمومی رحمت میں آپ کو خاص مقام عطاء ہوا تھا کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر کسی کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا بعض علماء کا کہنا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت اس لئے ہے کہ آپ نے ان کے سوا کسی بھی کنواری سے شادی نہیں کی، اور آپ کے سوا ان کے بستر پر کبھی کوئی دوسرا مرد نہیں سویا۔ (یعنی دوسرے سے شادی ہی نہیں کی)۔

لہذا مناسب تھا کہ اس خصوصیت و رتبہ عالیہ سے آپ نوازی جاتیں اور جب آپ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل ہیں تو آپ کے اقارب و اعزا

بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں اور وہ اس نام کے زیادہ مستحق ہیں۔ (ابن کثیر)

لہذا اہل سنت والجماعت اہل بیت سے محبت کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو اپنے سامنے رکھتے ہیں جسے آپ نے غدیر خم (ایک جگہ کا نام ہے) کے موقع پر فرمایا تھا:

”أذكركم الله في أهل بيتي“^(۱) (مسلم)

(میرے اہل بیت کے (حقوق کا خیال رکھنے کے) سلسلے میں تمہیں میں

اللہ تعالیٰ (کے تقویٰ) کو یاد رکھنے کی وصیت کرتا ہوں)

اہل سنت والجماعت ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تکریم و تعظیم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے محبت و عقیدت اور آپ (ﷺ) کی تعظیم و تکریم کی علامت ہے۔ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ سنت کی اتباع پر قائم ہوں، جیسے کہ ان کے سلف صالح سیدنا عباس اور ان کی اولاد، سیدنا علی اور ان کی آل اولاد رضی اللہ عنہم کا حال تھا، اور ان میں سے جو سنت رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہوں اردین پر قائم نہ ہوں، پھر ان سے عقیدت و دوستی جائز نہ ہوگی، چاہے اہل بیت (سید) میں سے ہوں۔

^۱ مسلم فضائل الصحابة (۲۴۰۸)، أحمد (۳۶۷/۴)، الدارمی فضائل القرآن (۳۳۱۶)۔

اہل بیت کے بارے میں اہل سنت و الجماعت کا موقف بہت ہی اعتدال و انصاف پر مبنی ہے اہل بیت میں سے جو دین و ایمان پر قائم ہیں ان سے گہری محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور ان میں سے جو سنت کے مخالف اور دین سے منحرف ہوں ان سے دور رہتے ہیں، چاہے وہ نسبی طور پر اہل بیت میں داخل کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ اہل بیت اور رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہونے سے کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم نہ ہوں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ پر جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

(اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنادو)

تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

”فَقَالَ : يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ - أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا - اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ ، لَا أَغْنَى عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ، يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ لَا أَغْنَى عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ، يَا صَفِيَّةُ عَمَةُ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَا أَغْنَى عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ، سَلِينِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُ ، لَا أَغْنَى عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا“^(۱)

(البخاری)

(اے قریش! (یا اس جیسا کوئی لفظ) اپنے آپ کو خرید لو (یعنی نیک اعمال کر کے جنت حاصل کر لو اور جہنم سے بچ جاؤ)، اللہ تعالیٰ کے سامنے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا، اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو لیکن اللہ کے سامنے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا)

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

^۱ البخاري الوصايا (۲۶۰۲) ، مسلم الإيمان (۲۰۶) ، النسائي الوصايا (۳۶۴۶) ، أحمد (۳۶۱/۲) ، الدارمي الرقاق (۲۷۳۲) .

”مَنْ بَطَّأَ عَلَيْهِ لَمْ يَسْرَعْ بِهِ نَسَبُهُ“^(۱) (مسلم)

(جس کا عمل اسے پیچھے چھوڑ جائے اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا)

اہل سنت والجماعت رافضی شیعوں کے غلط عقیدہ سے پاک ہیں، جو بعض اہل بیت کے سلسلے میں غلو سے کام لیتے ہوئے ان کی عصمت کا دعویٰ کرتے ہیں، اسی طرح نواصب کے گمراہ کن طریقوں سے بھی پاک ہیں، جو اصحاب استقامت اہل بیت سے بھی بغض و دشمنی رکھتے ہیں انہیں لعن و طعن کرتے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت والجماعت ان بدعتیوں اور خرافیوں کی گمراہی سے بھی پاک ہیں جو اہل بیت کو وسیلہ بناتے ہیں اور اللہ کے سوا ان کو اپنا رب والہ مانتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل سنت والجماعت اس بارے میں اور دیگر معاملات میں بھی منہج اعتدال اور صراطِ مستقیم پر قائم ہیں جن کے رویہ میں کوئی افراط و تفریط نہیں اور نہ ہی اہل بیت کے حق میں حق تلفی و غلو ہے۔ خود معتدل و دین پر قائم اہل بیت اپنے لئے غلو پسند نہیں کرتے ہیں، اور غلو کرنے والوں سے برأت و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق غلو کرنے والوں کو آگ میں جلا دینے کا حکم ارشاد فرمایا تھا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے قتل کو جائز قرار دیا ہے، لیکن وہ آگ کے بجائے تلوار سے قتل کے قائل

^۱ مسلم الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار (۲۶۹۹)، الترمذی القراءات (۲۹۴۵)، ابن ماجہ المقدمة (۲۲۵)، أحمد (۲۵۲/۲)، الدارمی المقدمة (۳۴۴)۔

تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے غلو کرنے والوں کے سردار عبداللہ بن سبا کو قتل کرنے کے لئے تلاش کروایا تھا لیکن وہ بھاگ گیا تھا اور کہیں چھپ گیا تھا۔

فصل پنجم

صحابہ کرام کی فضیلت ان کے بارے میں ضروری اعتقاد اور ان کے آپسی اختلافات کے سلسلہ میں مذہب اہل سنت و جماعت کا موقف

صحابہ سے مراد کون لوگ ہیں اور ان کے بارے میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیئے؟

صحابہ صحابی کی جمع ہے، اس سے مراد: ”وہو من لقی النبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مؤمنًا بہ ومات علی ذلک“ (ہر وہ شخص جس نے بحالتِ ایمان رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور اسی ایمان کی حالت میں اس کی موت ہوئی)۔ ان کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہونا واجب ہے کہ وہ امت کے سب سے افضل ترین لوگ تھے، ان کا زمانہ خیر القرون (سب سے بہترین زمانہ) تھا اور یہ شرف ان کو اسلام کی طرف ان کی سبقت، رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے لئے ان کا انتخاب، آپ کے ساتھ جہاد، شریعت کے بارگراں کو اٹھانے اور بعد والوں

تک پہنچانے کی وجہ سے حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تعریف کی ہے، آیت کریمہ ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾
(التوبة: ۱۰۰)

(جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے) ایمان لائے
مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے بطور احسن
ان کی پیروی کی، اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں، اور اس
نے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں،
اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
 بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَاهًا
 فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
 الْإِنْجِيلِ كَمَنْ دَرِيَ أَخْرَجَ شَطَاةً فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَى
 سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

(محمد ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ
 کافروں کے حق میں تو سخت ہیں پر آپس میں رحم دل ہیں۔ (اے دیکھنے
 والے) تو ان کو پائے گا کہ (اللہ کے آگے) رکوع و سجود میں ہیں، اور
 اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں، (کثرت) سجود کے
 اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف
 تورات میں (مرقوم) ہیں، اور انجیل میں ان کی مثال یوں بیان ہوئی
 کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی
 (ابھری) پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی
 کھڑی ہو گئی اور کھیتی والوں کو خوش کرنے لگی تاکہ کافروں کا جی
 جلانے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے،
 ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ
هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ
مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا
وَيُؤْتِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ
نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر: ۸، ۹)

(اور ان مفلسوں تارکین وطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں
سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (جو) اللہ کے فضل اور اس کی
خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں۔ یہی
لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین
سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان
میں (مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں
ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ
خواہش (اور خلش) نہیں پاتے، اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم
رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچالیا
گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کی بڑی تعریف فرمائی ہے اور
انہیں بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے کہا ہے۔ اس کی بھی خبر دی ہے کہ وہ

ان سے راضی ہے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں، اسی طرح انہیں آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے اور کافروں پر سختی کرنے والے بتایا ہے۔ اسی طرح ان کے اوصاف بتاتے ہوئے فرمایا کہ کثرت سے رکوع سجدہ کرنے والے ہیں، ان کے دل پاک و صاف ہیں۔ ان کے چہروں پر اطاعت و ایمان کی جو نشانی و نور ہے اس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نبی (ﷺ) کی صحبت کے لئے اختیار فرمایا ہے، تاکہ کافروں کو غصہ دلائے۔ مہاجرین کی تعریف میں فرمایا کہ انہوں نے محض اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے دین کی نصرت کے لئے اس کے فضل و رضا کی تلاش میں اپنے وطن عزیز اور مال و دولت کو خیر باد کہا اور وہ اپنے اس عمل میں سچے تھے، انصار کی تعریف میں فرمایا کہ وہ ہجرت، نصرت، ایمان صادق کے گھر والے ہیں۔ ان کی خوبیوں میں سے یہ بیان کیا کہ وہ اپنے مہاجر بھائیوں سے محبت کرتے ہیں۔ ان کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں، ان سے ہمدردی کرتے ہیں، وہ بخل سے پاک ہیں، جن کی وجہ سے فلاح و کامرانی ان کے قدم چومتی ہے، یہ ان کے بعض فضائل و حسنات ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ خاص فضائل و رتبے ہیں جن کی وجہ سے ان میں سے بعض بعض سے ممتاز ہیں اور یہ ان کی اسلام کی طرف سبقت، جہاد و ہجرت کی وجہ سے ہے۔

افضل ترین صحابہ:

لہذا افضل ترین صحابہ خلفائے اربعہ سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کے بعد باقی عشرہ مبشرہ ہیں۔ جو ان چار کے علاوہ سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا عبدالرحمن بن عوف، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہم ہیں۔ مہاجرین کو انصار پر فضیلت دی گئی ہے۔ اہل بدر اور اہل بیعتہ الرضوان کی بھی خاص فضیلت آئی ہے، فتح مکہ سے پہلے جو اسلام لائے اور جہاد کیا ہے ان کو فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے پر فضیلت دی گئی ہے۔

صحابہ کرام کے مابین ہونے والے کشت و خون اور فتنہ و فساد سے متعلق اہل سنت و جماعت کا موقف:

صحابہ کرام کے اندر فتنہ پھیلنے کی وجہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف یہودیوں کی سازش تھی۔ ایک خبیث ترین مکار یمن کے یہودی عبداللہ بن سبا کو یہودیوں نے کھڑا کیا، اس نے جھوٹ موٹ اپنے اسلام کا اعلان کیا، پھر یہ خبیث یہودی اپنے حق و حسد کا زہر خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اگلنے لگا، ان کے خلاف من گھڑت تہمتیں بنانا کر پھیلانے لگا، لہذا کچھ کمزور ایمان، کوتاہ نظر و فتنہ پسند لوگ اس سے دھوکہ کھا کر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اسی سازش کے نتیجہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلومیت کی حالت میں شہید کئے گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

کی شہادت کے فوراً بعد مسلمانوں میں اختلافات شروع ہو گئے اور اس یہودی اور اس کے متبعین کے اکسانے پر فتنہ نے اپنا سرا اٹھایا اور صحابہ کرام اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق آپس میں لڑ پڑے۔

کتاب "الطحاویہ" کے شارح لکھتے ہیں: (رفض کا فتنہ ایک منافق اور زندیق نے پیدا کیا، اس نے دین اسلام کو ختم کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو داغدار کرنا چاہا، جیسا کہ علمائے کرام نے بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبد اللہ بن سبائے جب اپنے اسلام کا اظہار کیا تو اس نے دراصل اپنی خباثت اور مکاری سے دین اسلام میں فساد پھیلانا چاہا، جیسا کہ بولس نے نصرانیت کے ساتھ کیا، سب سے پہلے اس نے اپنی عبادت و زہد کا اظہار کیا، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق فتنہ پھیلانے اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کی، پھر جب کوفہ آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق غلو کا اظہار کیا اور ان کی نصرت و تائید کرنی چاہی، تاکہ اس سے اپنے اغراض و مقاصد کو پہنچ سکے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، لیکن وہ قرقر کی طرف بھاگ گیا اور اس کی پوری روداد تاریخ میں مشہور ہے)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: (جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا تو مسلمانوں کے دل منتشر ہو گئے، مصائب کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے، شریر و خبیث لوگ سامنے آ گئے اور اچھے لوگ ذلیل ہو گئے اور وہ لوگ فتنہ بھڑکانے لگے جواب تک کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اور اصلاح و خیر کو چاہنے والے اپنے میدان میں بے دست و پا ہو گئے۔ لہذا لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، وہ خلافت کے لئے اس وقت سب سے زیادہ موزوں ترین شخص تھے اور باقی ماندہ صحابہ کرام میں سب سے اچھے تھے۔ لیکن چونکہ دل منتشر تھے اور فتنہ کی آگ بھڑک رہی تھی لہذا لوگوں کا پورا اتفاق نہ ہو سکا، جماعت کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔ لہذا خلیفہ وقت اور امت کے اچھے و مصلح لوگ وہ نہ کر سکے جو وہ چاہتے تھے کچھ لوگ فتنہ و فساد کے شعلوں میں کود پڑے، پھر جو ہوا سب کو معلوم ہے) ^(۱)۔

سیدنا علی و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ میں صحابہ کرام کے آپسی جدال و قتال کا عذر پیش کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ آگے لکھتے ہیں: (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے وقت خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کے لئے ان کی بیعت ہوئی تھی، اور اپنے آپ کو خلیفہ سمجھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ بھی نہیں کی تھی، اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے

تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں جو شخص بھی سوال کرتا اس کے جواب میں آپ اس بات کا اقرار کرتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ میں پہل کریں، بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی یہ سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے ضروری ہے کہ ہماری اطاعت کریں، ہم سے بیعت کریں اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک ہی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ لہذا اس رو سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سمع و طاعت سے خارج ہیں اور ایک واجب کو ادا نہیں کر رہے ہیں۔ جب کہ وہ طاقتور بھی ہیں، لہذا انہوں نے ان کے ساتھ جنگ کرنا ضروری سمجھتا کہ وہ لوگ اس واجب کو ادا کریں خلیفہ کی اطاعت ہو اور جماعت کا شیرازہ برقرار رہے، جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت و طاعت ان پر واجب نہیں اس کے لئے اگر ان سے جنگ کی گئی تو وہ مظلوم ہوں گے، انہوں نے یہ اس لئے کہا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مظلومیت کی حالت میں شہید کئے گئے ہیں اور ان کے قاتلین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہیں۔ فوج میں ان کا غلبہ ہے۔ ان کی طاقت ہے، ہم کہیں گے تو ہم پر ظلم و زیادتی کریں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ انہیں روک نہیں پائیں گے جیسے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں انہیں روک نہیں پائے تھے، لہذا ہمیں

کسی ایسے خلیفہ کی بیعت کرنی چاہیے جو ہمیں انصاف دلا سکے اور ہمارے لئے انصاف کی کوشش کر سکے۔

صحابہ کرام کے مابین اختلافات اور جنگ و جدال سے متعلق اہل سنت و جماعت کا جو موقف ہے اس کا خلاصہ کیا جائے تو دو چیزیں سامنے آئیں گی۔

اول: اہل سنت و جماعت صحابہ کرام کے مابین ہونے والے جنگ و جدال سے متعلق اپنی زبان بند رکھتے ہیں اور اس کی زیادہ کھود کرید نہیں کرتے اس لئے کہ سلامتی چپ رہنے ہی میں ہے، خاص طور پر اس طرح کے معاملہ میں۔ تو انکی دعا یہ ہوتی ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾

(الحشر: ۱۰)

(اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

دوم: صحابہ کے سلسلہ میں من گھڑت برائیوں سے متعلق جو روایتیں ہیں ان کا متعدد طریقوں سے جواب دینا جو حسب ذیل ہیں:

پہلا طریقہ: یہ تمام مرویات جھوٹے ہیں دشمنانِ اسلام نے صحابہ کرام کو بدنام کرنے کے لئے گڑھے ہیں۔

دوسرا طریقہ: ان روایات میں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا ہے یا اس کی صحیح شکل بگاڑ دی گئی ہے، اس میں جھوٹ کی آمیزش کی گئی ہے۔ لہذا یہ محرف ہیں، ان کی طرف رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔

تیسرا طریقہ: اس ضمن میں جتنے صحیح آثار و احادیث وارد ہوئے بھی ہیں تو وہ بہت کم ہیں جن میں صحابہ کرام کو معذور سمجھنا چاہیے کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب مجتہد تھے یا تو انہوں نے اپنے اجتہاد میں صحیح فیصلہ کیا یا غلط، اگر صحیح فیصلہ کیا ہے تو ان کے لئے دواجر ہیں، اور اگر غلط فیصلہ کیا ہے تو ان کے لئے ایک اجر ہے ساتھ ہی ان کی غلطی بھی معاف ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ (ﷺ) کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَإِنْ اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ

فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ“ ^(۱) (بخاری و مسلم میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے)

(جو کوئی حاکم (قاضی یا فیصلہ کرنے والا) اجتہاد کرتا ہے اور اس میں

صحیح بات کو پالیتا ہے تو اس کے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد کی صورت میں

غلطی کر بیٹھتا ہے تو اس کا ایک اجر ہے)

چوتھا طریقہ: وہ ہمارے ہی طرح انسان تھے ان سے غلطی سرزد ہو سکتی ہے، اس

لئے وہ باعتبار افراد گناہ و خطاء سے معصوم نہیں ہیں ^(۲) اور ان سے جو کچھ بھی گناہ سر

زد ہوں ان کے ہزاروں مکفرات (نیک اعمال) ان کے پاس ہیں، جن سے ان

کے گناہ دھل سکتے ہیں:

۱- ان کے لئے توبہ ہے جو ہر گناہ کو کھا جاتی ہے جیسا کہ اس بارے میں دلائل

موجود ہیں۔

^۱ البخاری الاعتصام بالكتاب والسنة (۶۹۱۹) ، مسلم الأفضیة (۱۷۱۶) ، أبو داود الأفضیة (۳۵۷۴) ، ابن ماجہ الأحکام (۲۳۱۴) .

^۲ لیکن باعتبار مجموعی ان کا اجماع معصوم ہے جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد گرامی ہے کہ : " لا تجتمع أمتی علی ضلالة " (أحمد (۲۵۹۶۶) والطبرانی فی الكبير (۲۱۷۱)) (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی)

۲۔ ان کے بہت سے فضائل و نیک اعمال ہیں جن کی وجہ سے ان کی غلطی کی مغفرت ہو سکتی ہے اگر واقعی کوئی غلطی ہو بھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ہود: ۱۱۴)

(کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں)

ساتھ ہی ان کو رسول اکرم ﷺ کی صحبت نصیب ہے، آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کا شرف حاصل ہے، جو ان کے ان معمولی خطا کو دھونے کے لئے کافی ہے۔

۳۔ ان کی نیکیاں دوسروں کی نیکیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ کر دی گئی ہیں، کوئی ان کے فضل و فضیلت کو کوئی نہیں پاسکتا، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے کہ وہ سب خیر القرون (بہترین نسل) تھے ان کا ایک مد صدقہ دوسروں کے احد پہاڑ کے برابر سونا کے صدقہ سے افضل و بہتر ہے^(۱)، اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں بھی راضی رکھے۔

علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: (تمام اہل سنت والجماعت اور ائمہ دین کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی صحابی بھی

معصوم نہیں، نہ تو سابقین اولین والے، نہ ہی لواحقین اور قرابت والے بلکہ ان سے گناہ سرزد ہونا ممکن ہے، پھر اللہ تعالیٰ توبہ کے ذریعہ ان کے گناہ کو معاف کر دے گا، ان کے درجات کو بلند فرمائے گا اور ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے گناہ مٹ جائیں گے یا دیگر دوسرے اسباب کی بنا پر ان کی مغفرت ہو جائے گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ لَّهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ لِيَكْفِرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(الزمر: ۳۳-۳۵)

(اور جو شخص اچھی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں، وہ جو چاہیں گے ان کے لئے ان کے رب کے پاس (موجود) ہے، نیکو کاروں کا یہی بدلہ ہے، تاکہ اللہ ان سے برائیوں کو جو انہوں نے کیں دور کر دے اور جو سب سے بہترین نیک کام وہ کرتے رہے ان کو بدلہ دے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَدَغَ أَسَدُهُ وَبَدَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ

أَشْكُرُ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضَاهُ وَأُصَدِّقَ لِي فِي دُرِّيَّتِي إِنَِّّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ تَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ
سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ﴿﴾ (الحقاف: ۱۵، ۱۶)

(یہاں تک کہ ایک شخص خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار بنوں اور یہ کہ نیک عمل کروں، جن کو تو پسند کر لے اور میری اولاد میں صلاح (و تقویٰ) دے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے اعمال نیک ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے اور (یہی) اہل جنت میں (ہوں گے)۔^(۱))

صحابہ کرام کے مابین اختلافات اور جنگ و جدال کا جو فتنہ اٹھا تھا اس کو دشمنانِ دینِ اسلام نے صحابہ کرام کی شخصیت و کرامت پر حملہ کرنے کا سبب بنا لیا۔ اس خبیثانہ عمل میں آج کل کے کچھ اصحابِ قلم لگے ہوئے ہیں، جو بلا علم و معرفت کے محض بکواس کرتے ہیں اور اپنے آپ کو صحابہ کرام کے مابین حکم

وفیصل بنا کر پیش کرتے ہیں اور بلاد لیل و حجت کسی صحابی کو سچا اور کسی کو خطا کار گردانتے ہیں اور یہ سب کچھ جہالت، خواہشات کی پیروی اور حاکم و حاسد دشمن مستشرقین اور ان کے دم چھلوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے عمل سے اسلامی تاریخ اور قرن اول کے اسلام سے ناواقف بعض نوجوانوں میں شک و شبہ کا بیج بو دیا ہے، اس طرح سے وہ دیار اسلام ہی سے اسلام پر خنجر چلانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں میں انتشار و انار کی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اس امت کے موجودہ نسل میں اپنے اسلاف کی اقتداء کے بجائے ان سے متعلق بغض و نفرت کا بیج بو نا چاہتے ہیں، اور تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل نہ کر سکیں:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا
رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

(اور جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

فصل ششم

صحابہ کرام اور ائمہ عظام کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے کی ممانعت:

اہل سنت و جماعت کے نزدیک مسلمہ اصول ہے کہ صحابہ کرام سے متعلق ان کے دل صاف اور ان کی زبان ان کے ثناء خواں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا
رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشمہ: ۱۰)

(اور جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے وہ دعاء کرتے ہیں کہ اے
ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان
لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں
کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! تو بڑا شفقت
کرنے والا مہربان ہے)

پھر رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی اطاعت گزاری کرتے ہیں:

”لا تسبُّوا أصحابی، فوالذی نفسی بیداً لو أنفق أحدکم مثل
أحد ذهباً ما بدغ مدّ أحدهم ولا نصیفه“^(۱) (متفق علیہ)
(میرے صحابہ کو سب و شتم نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں
میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ
کرے تو ان میں سے کسی کے مد یا نصف مد سے کم تک کے برابر نہیں
پہنچ سکتا)

وہ روافض و خوارج کے گمراہ کن طریقہ سے پاک ہیں جو صحابہ کرام کو سب
و شتم کرتے ہیں، ان کے لئے بغض رکھتے ہیں ان کے فضائل کا انکار کرتے ہیں اور
ان میں سے اکثر پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

کتاب و سنت میں صحابہ کرام کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں ان کو اہل سنت و
الجماعت قبول کرتے ہیں اور صحابہ کرام کو امت کی سب سے اچھی جماعت کہتے
ہیں، جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

^۱ البخاری المناقب (۳۴۷۰)، مسلم فضائل الصحابة (۲۵۴۱)، الترمذی المناقب (۳۸۶۱)، أبو داود السنة (۴۶۵۸)، ابن ماجه المقدمة (۱۶۱)، أحمد (۵۵/۳)۔

”خیر کم قرنی“^(۱) (الصحيحين)
(تم میں بہتر میرے دور کے لوگ ہیں)

اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے تہتر (۳۷) فرقوں میں بٹ جانے اور ایک فرقہ کے سوا سب کے جہنم جانے کے بارے میں ذکر فرمایا تو لوگوں نے اس ایک جماعت کے متعلق پوچھا تو اس پر بھی آپ (ﷺ) نے یہی فرمایا کہ:

”ہم من کان علی مثل ما أنا علیہ الیوم وأصحابی“^(۲) (أحمد)
(یہ وہ لوگ ہیں جو اسی پر قائم رہیں گے جس پر آج میں اور میرے صحابہ کرام قائم ہیں)

امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں نے فرمایا: (جب بھی کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام میں سے کسی کی کوئی خامی تلاش کر رہا ہے تو سمجھو کہ وہ زندیق (بے دین) ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول حق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت حق ہے، یہ سب کو

^۱ البخاري الشهادات (۲۵۰۸)، مسلم فضائل الصحابة (۲۵۳۵)، الترمذي الفتن (۲۲۲۱)، النسائي الايمان والنذور (۳۸۰۹)، أبو داود السنة (۴۶۵۷)، أحمد (۴۲۷/۴).
^۲ الترمذي الايمان (۲۶۴۱).

معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہی ہیں۔ لہذا ان پر جرح کرنا دراصل اسلامی تعلیمات و کتاب و سنت کو باطل قرار دینا ہے۔ لہذا صحابہ کرام پر جرح کرنے والے کو زندیق و گمراہ کہنا برحق (ہے)۔

علامہ ابن حمدان رحمہ اللہ اپنی تصنیف نہایۃ المبتدئین میں لکھتے ہیں: (اگر کوئی کسی صحابی کو برا بھلا کہنا جائز سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر سب و شتم کرتا ہے لیکن اس کو جائز نہیں سمجھتا ہے تو وہ فاسق ہے۔ انہی سے ایک روایت مطلقاً کافر ہونے کی بھی ہے اور اگر کوئی کسی صحابہ پر فسق کا حکم لگاتا یا ان کی دینداری پر طعن کرتا ہے یا ان پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے تو وہ بھی کافر ہے) (۱)۔

ائمہ ہدایت و علمائے امت کو برا بھلا کہنے کی ممانعت:

صحابہ کرام کے بعد فضل و کرم کے اعتبار سے آئمہ ہدایت دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ ان میں خیر القرون کے تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والے جنہوں نے صحابہ کرام کی بطور احسن اتباع کی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)
(جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے)
مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے بطور احسن
ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے، اور وہ اللہ سے خوش ہیں)

لہذا ان کی تنقیص کرنا یا انہیں برا بھلا کہنا کسی حال میں جائز نہیں اس لئے کہ
یہ رشد و ہدایت کے علم بردار ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ
غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَ ثَلَاثُ
مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

(اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے
اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جہنم چلتا ہے ہم
اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل
کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے)

الطحاویہ کے شارح فرماتے ہیں: (ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ اور اس
کے رسول کی محبت و دوستی کے بعد مومنین کے ساتھ بھی دوستانہ و ہمدردانہ تعلق
رکھے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے، خاص طور پر انبیاء کے وارثوں سے تعلق

و دوستی تو بہت ضروری ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے مانند بتایا ہے جن کی روشنی کے ذریعہ بروجر کے شبِ ظلمات کی راہیں طے کی جاتی ہیں، تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کی ہدایت و سمجھ بوجھ میں کوئی نقص نہیں ہے۔

یہ لوگ دراصل رسول اللہ ﷺ کی امت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے خلفاء ہیں، مردہ سنتوں کو یہ زندہ کرتے ہیں، انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی قائم ہے، اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد کتاب اللہ کی نشر و اشاعت ہے۔ کتاب ان کی زبان سے بولتی ہے اور یہ کتاب کی زبان بولتے ہیں۔ یہ تمام لوگ یقینی طور پر اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی واجب ہے، لیکن جب ان میں سے کسی کا کوئی قول منقول ہو جو کسی صحیح حدیث کے برخلاف ہو تو یقیناً اس حدیث کو چھوڑنے کا ان کے پیش نذر کوئی نہ کوئی عذر ضرور ہوگا، اور اس عذر کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ممکن ہیں:

عذر کی تین قسمیں

۱۔ اس (عالم/امام) کا یہ اعتقاد ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا ہے (یعنی اس کی سند اس کے نزدیک صحیح نہ ہو)۔

۲۔ اس کا اعتقاد ہو کہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا اس قول سے یہ مسئلہ مراد نہیں تھا۔ (یعنی فہم حدیث میں اختلاف ہو)

۳۔ اس کا اعتقاد ہو کہ یہ حکم (کسی دوسری حدیث کے ذریعہ) منسوخ ہے۔

ہم پر ان کے بڑے احسانات ہیں، ہم سے پہلے اسلامی تعلیمات کے بارگراں کو اٹھایا، ہم تک پوری امانت کے ساتھ اسے پہنچایا، اس کے رموز و غموض کو بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی فرمائے۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾

(الحشر: ۱۰)

(اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے رب! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

علماء کرام کی قدر و منزلت کو گھٹانا اور ان سے اجتہادی غلطی ہونے پر ان کی تنقیص کرنا بدعتیوں کا طریقہ ہے اور دشمنانِ اسلام کی ایک گہری سازش ہے؛ تاکہ دینِ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں اور مسلمانوں کے

درمیان بغض و عداوت کو جنم دیا جائے، اور اس لئے بھی تاکہ اس امت کے خلف (بعد میں آنے والے) اپنے سلف (گزرے ہوؤں) سے کٹ جائیں اور ساتھ ہی علماء کرام اور نوجوانوں کے مابین ایک خلیج پڑ جائے، جیسا کہ ہماری موجودہ حالت ہے۔ لہذا یہیں سے بعض ابتدائی طلباء کو بھی متنبہ ہو جانا چاہیے جو فقہائے امت کی قدر و منزلت کو گھٹاتے ہیں اور فقہ اسلامی کی قدر و منزلت کو کم کرتے ہیں، اس کے پڑھنے اور پڑھانے سے بے رغبتی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے اندر جو حق اور اچھی باتیں ہیں اس کو بھی قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، جب کہ انہیں اپنے فقہ اسلامی پر عزت محسوس کرنی چاہیے۔ اپنے علماء و فقہاء کی تکریم و توقیر کرنی چاہیے اور گمراہ کن و مغرضانہ پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے^(۱)۔

چھٹا باب

بدعتیں

^۱ تفصیل کے لئے دیکھیں "رفع الملام عن أئمة الاعلام" از امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا مضمون (فقہاء کرام کے اختلاف میں کیا کرنا چاہیے)۔ (ط ع)

اس باب میں حسبِ فصیلیں ہوں گی:

فصل اول: بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام و احکام

فصل دوم: مسلم معاشروں میں بدعت کا ظہور اور اس کے اسباب

فصل سوم: بدعتیوں کے متعلق امتِ مسلمہ کا موقف اور ان کے

رد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہج

فصل چہارم: آج کل کی کچھ نئی بدعتوں کے نمونے یہ ہیں:

۱- عیدِ میلاد النبی (ﷺ) کے جشن و جلوس۔

۲- بعض مقامات، آثار اور زندہ و مردہ اشخاص وغیرہ سے برکت

حاصل کرنا

۳- امورِ عبادت و تقربِ الہی میں بدعتیں۔

فصل اول

بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام و احکام

بدعت کی تعریف:

لغت کے اعتبار سے بدعت لفظ "الْبَدْع" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: ”الاختراع علی غیر مثال سابق“ (بغیر سابقہ مثال کے کسی چیز کے ایجاد و اختراع)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (البقرة: ۱۱۷)

((وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے)

یعنی بغیر سابقہ مثال کے زمین و آسمان کا ایجاد کرنے والا ہے، ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف: ۹)

(کہہ دو کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا)

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لانے والا کوئی پہلا پیغمبر تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بہت سارے پیغمبر آچکے ہیں۔

عام بول چال میں کہا جاتا ہے: ”ابتدع فلان بدعة“ (فلاں شخص نے فلاں بدعت ایجاد کی) یعنی ایسا طریقہ ایجاد کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا۔

بدعت کی اقسام:

بدعت کی دو قسمیں ہیں:

عادات و اطوار کی بدعت جیسے نئی ایجادات و اختراعات کی بدعت، یہ بدعت جائز ہے، اس لئے کہ عادات و اطوار کے اندر اصل مباح و حلال ہے۔

بدعت کی دوسری قسم ہے دین کے اندر بدعت پیدا کرنا یہ بدعت حرام ہے، اس لئے کہ شریعت و دین دراصل توقیفی (وحی الہی کے تابع) چیز ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ (۱)

(البخاری و مسلم)

(جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے)

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

^۱ البخاری الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأفضیة (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴۶۰۶)، ابن ماجہ المقدمة (۱۴)، أحمد (۲۷۰/۶)۔

”من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد“^(۱) (مسلم)
(جو کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا معاملہ (دین) نہیں وہ مردود ہے)

دین میں بدعت کی بھی دو قسمیں ہیں

پہلی قسم: قولی و اعتقادی بدعت، جیسے جہیمہ، معتزلہ، روافض اور تمام گمراہ فرقوں کے اقوال و تحریریں اور ان کے اعتقادات۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی عبادت کے ساتھ کرنا جو اس نے مشروع قرار نہ دی ہو، اس کی بھی متعدد قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ جس میں اصل عبادت ہی بدعت ہو، جیسے عبادت کا کوئی ایسا طریقہ نکالا جائے جس کی شریعت میں کوئی سند نہ ہو، مثلاً نئی وغیرہ مشروع نماز نکالی جائے یا غیر مشروع روزہ رکھا جائے یا نئی عید منائی جائے جیسے عید میلاد وغیرہ۔

۲۔ مشروع عبادت میں کسی چیز کا اضافہ کر دیا جائے، جیسے ظہر یا عصر کی نماز میں ایک رکعت بڑھا کر اس کی رکعتیں پانچ کر دی جائیں وغیرہ۔

^۱ البخاري الصلح (۲۵۵۰)، مسلم الأفضية (۱۷۱۸)، أبو داود السنة (۴۶۰۶)، ابن ماجه المقدمة (۱۴)، أحمد (۲۵۶/۶)۔

۳۔ مشروع عبادت کی ادائیگی میں بدعت پیدا کر لی جائے اور غیر مشروع طریقہ پر اسے ادا کیا جائے، جیسے مسنون دعاؤں کو اجتماعی طور پر گاہا کر پڑھا جائے یا پھر عبادت میں نفس پر اتنی سختی کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے دائرہ سے نکل جائے۔

۴۔ کسی مشروع عبادت کے لئے غیر مشروع وقت کی تعیین کی جائے، جیسے نصف شعبان کے دن کو روزے کے لئے اور اس کی رات کو قیام کے لئے خاص کر لینا، کیونکہ نماز و روزہ اصلاً تو مشروع ہیں، لیکن اس کے کوئی خاص اوقات مقرر کرنے کے لئے کوئی ٹھوس دلیل درکار ہے۔

دین میں بدعت اور اس کے تمام اقسام کا حکم

دین میں ہر بدعت حرام و گمراہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة“ (ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(نئی نئی باتوں سے بچو، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)

اور ایک جگہ ارشاد گرامی ہے:

”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فہورد“ (متفق علیہ)
 (جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس
 میں سے نہیں تو وہ مردود ہے)

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”من عمل عبلاً لیس علیہ أمرنا فہورد“ (مسلم)
 (جو کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا معاملہ (دین) نہیں وہ مردود ہے)

ان حدیثوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ دین کے اندر پیدا کی
 ہوئی ہر چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و مردود ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ
 عبادات و اعتقادات میں بدعت حرام ہے، لیکن بدعت کی نوعیت کے اعتبار سے
 اس کی حرمت کا حکم مختلف ہوگا۔ چنانچہ بعض بدعات تو کھلا ہوا کفر ہے جیسے
 مردوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے قبروں کا طواف کرنا، قبروں پر نذر و نیاز
 چڑھانا، اصحاب قبر سے فریادیں کرنا، ان سے استغاثہ کرنا، اسی ضمن میں غالی قسم
 کے جہمی مغزلی کے اقوال بھی آتے ہیں۔ اور بعض بدعت شرک کے وسائل ہیں،
 جیسے قبروں پر تعمیر، وہاں کی نماز و دعاء وغیرہ، بعض بدعت اعتقادی فسق کے درجہ
 میں آتی ہے، جیسے خوارج، قدریہ اور مرجئہ وغیرہ کی اقوال و اعتقادات میں بدعت
 جو شرعی دلائل کے مخالف ہیں، اور بدعات میں سے بعض ایسی ہیں کہ جو معصیت

ونا فرمائی ہے جیسے شادی نہ کرنا، دھوپ میں کھڑے ہو کر روزہ رکھنے کی بدعت اور جنسی شہوت کو ختم کرنے کے لئے خصی ہونا وغیرہ کی بدعت^(۱)۔

ایک انتباہ

جو شخص بھی بدعت کی دو قسمیں کرتا ہے ایک بدعتِ حسنہ (اچھی بدعت) دوسری بدعتِ سیئہ (بری بدعت) تو وہ غلطی پر ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی مخالفت کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

”فإن كل بدعة ضلالة“

(ہر بدعت گمراہی ہے)

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمام بدعتوں کو گمراہی قرار دیا ہے، جبکہ بعض بدعت کو بدعتِ حسنہ کہنے والا گویا ہر بدعت کو گمراہی و ضلالت نہیں سمجھتا۔

علامہ حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ "شرح الاربعین" میں لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول کہ (ہر بدعت گمراہی ہے) بہت جوامع الکلم (جامع ترین کلمہ) ہے، جس سے کوئی بدعت بھی باہر نہیں نکل سکتی ہے۔ یہ دین کا بہت ہی بنیادی

^۱ دیکھئے : الاعتصام للشاطبی (۲ / ۳۷) .

قاعدہ ہے، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے دوسرے قول کے مطابق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ (متفق علیہ)

(جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے)

لہذا ہر نئی چیز جو دین کی طرف منسوب کی جائے گی اور دین میں اس کی کوئی اصل نہ ہوگی اس کی گمراہی و ضلالت میں کوئی شک نہیں اور دین اس سے بری الذمہ ہے۔ چاہے اس میں اعتقادی مسائل ہوں یا ظاہری و باطنی اقوال و اعمال (۱)۔

بدعتِ حسنہ کے قائلین کے پاس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے علاوہ کوئی دلیل نہیں، عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تراویح کے سلسلہ میں ہے آپ نے فرمایا:

”نعت البدعة هذه“

(کیا ہی اچھی ہے یہ بدعت)

بدعتِ حسنہ کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت سی چیزیں نئی پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن ہمارے اسلاف کرام نے اس کا انکار نہیں کیا جیسے ایک کتاب میں قرآن کو جمع کرنا، حدیث کی تدوین و تحریر وغیرہ۔

اس طرح کے سوالات کا جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس طرح کی چیزوں کی اصل (بنیاد) شریعت میں موجود ہے۔ لہذا یہ بدعت نہیں ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی صحیح ہے لیکن یہاں پر انہوں نے بدعت کے لغوی معنی لیا ہے، شرعی معنی نہیں۔ لہذا جس عمل کی شریعت میں اصل دلیل موجود ہے پھر اگر اسے بدعت کہا جائے تو یہ سمجھئے کہ یہاں بدعت سے مراد بدعتِ لغوی ہے نہ کہ بدعتِ شرعی، کیونکہ شرعی بدعت وہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو، قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے کی شریعت میں اصل موجود ہے اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود قرآن مجید کو لکھ لینے کا حکم دیتے تھے مگر چونکہ قرآن مجید پہلے مختلف جگہوں میں متفرق و منتشر لکھا ہوا تھا، لہذا صحابہ کرام نے اس کی حفاظت کی خاطر اسے ایک جگہ جمع کر دیا۔

اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتیں تراویح کی نماز پڑھی پھر چھوڑ دی اس ڈر سے کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے لیکن صحابہ کرام برابر اسے پڑھتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے بعد بھی الگ الگ انداز میں پڑھتے

رہے، یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا، جس طرح سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے۔ لہذا یہ دین کے اندر کوئی بدعت نہیں ہے۔

تدوین حدیث کی بھی شریعت میں اصل موجود ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کی فرمائش پر بعض حدیثوں کے لکھنے کا حکم دے دیا تھا۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں احادیث لکھا کرتے تھے^(۱) مگر عمومی طور پر قرآن و احادیث میں خلط ملط ہونے کے اندیشے کے پیش نظر اس کی کتابت سے روکا گیا تھا۔ پھر جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات ہوئی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی قرآن کریم مکمل ہو چکا تھا پس وہ اندیشہ بھی ختم ہو گیا جس کے لئے حدیث کی تدوین ممنوع تھی، یعنی قرآن اور حدیث میں خلط ملط نہ ہو جائے۔ لہذا آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حدیث کی تدوین کی، اللہ تعالیٰ

^۱ ہوسکتا ہے یہ کتابت کی غلطی ہو واللہ اعلم، کیونکہ صحیح بخاری میں خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: "لم یکن أحد أكثر حديثاً عنه مني إلا ما كان من عبد الله بن عمرو، فإنه كان يكتب ولا أكتب" (احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں تھا سوائے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھا نہیں کرتا تھا)، بہر حال اس سے بھی احادیث کی کتابت کا ثبوت تو مہیا ہو ہی گیا، الحمد للہ۔ (ط ع)

انہیں اجر خیر سے نوازے کے انہوں نے اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی (ﷺ) کی سنت کو ضائع ہونے اور شرارتیوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ آمین۔

فصل دوم

مسلم معاشروں میں بدعت کا ظہور اور اس کے اسباب

۱۔ مسلمانوں کی زندگی میں بدعت کا ظہور:

اس ضمن میں دو مسئلے بیان ہوں گے۔

پہلا مسئلہ: ظہور بدعت کا وقت

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

(یہ معلوم ہونا چاہیے کہ علوم و عبادات سے متعلق عام بدعتیں امت کے اندر خلفائے راشدین کے آخری دور ہی سے ظاہر ہونے لگی تھیں اور اس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی دے دی تھی، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”من یعش منکم فسیری اختلافًا کثیرًا ، فعلیکم بسنتی

وسنة الخلفاء الراشدين المہدیین“^(۱) (ابوداؤد، الترمذی اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(تم میں سے جو (میرے بعد) با حیات ہو گا اسے بہت سارے

اختلافات نظر آئیں گے۔ لہذا اس وقت میری سنت اور ہدایت یافتہ

خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو)

امت میں پہلے پہل، قدریہ، مرجئہ، شیعہ اور خوارج کی بدعتیں ظاہر

ہوئیں، پھر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد امت میں تفرقہ پیدا ہوا تو

حروریہ کی بدعت ظاہر ہوئی، پھر صحابہ کرام کے آخری عہد میں یعنی سیدنا ابن عمر،

ابن عباس و جابر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے آخری عہد میں قدریہ کی بدعت ظاہر ہوئی

پھر اس سے قریبی زمانے ہی میں مرجئہ کا بھی ظہور ہوا، اور جہاں تک جہمیہ کا

تعلق ہے تو وہ تابعین کے آخری عہد اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی وفات کے

بعد ظاہر ہوئے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان سے

لوگوں کو خبردار کیا تھا البتہ جم کا ظہور خراسان میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک

رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا۔

^(۱) الترمذی العلم (۲۶۷۶) ، ابن ماجہ المقدمة (۴۲) ، أحمد (۱۲۶/۴) ، الدارمی المقدمة (۹۵)۔

یہ بدعتیں دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہو گئی تھیں جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ صحابہ کرام نے اس طرح کی بدعتوں کی مخالفت کی تھی، پھر بعد میں معتزلہ کی بدعت سامنے آئی اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا دور شروع ہو گیا، پھر لوگوں میں اختلافِ آراء اور بدعت و خواہشات کی طرف میلان و جھکاؤ کا ظہور ہوا۔ پھر فضیلت والے زمانے گزرنے کے بعد تصوف^(۱) کی بدعت، قبروں

^۱ مذکورہ بالا فرقوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

قدریہ: یہ لوگ تقدیر الہی کے منکر ہیں اور انسان کو مختار کل مانتے ہیں۔
مرجئہ: یہ لوگ عمل کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے اور نہ ہی ایمان کی کمی و زیادتی کے قائل ہیں۔
شیعہ یا روافض: ان کے گمراہ کن اور کفریہ عقائد لوگوں میں معروف و مشہور ہیں۔

خوارج: ان کی مشہور صفات میں سے مسلمانوں کی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے تکفیر کرنا اور ظالم مسلم حکمرانوں پر خروج کرنا ہے۔

جہمیہ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مکمل طور پر منکر ہیں۔
معتزلہ: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں مگر اسماء کو مانتے ہیں، اور دین میں عقیدے کے اثبات کے لئے عقل، منطق اور علم الکلام کے قائل ہیں۔ ساتھ ہی خوارج کی طرح حکمرانوں پر خروج کے قائل ہیں اور گنہگار مسلمان کو نہ مومن کہتے ہیں اور نہ کافر مگر آخرت میں ہمیشہ جہنم میں رہنے کے قائل ہیں۔

صوفیت: یہ بھی معروف ہیں، جو ترک دنیا، تزکیہ نفس وزہد کے نام پر عجیب و غریب ریاضتیں اور غیر ثابت شدہ عبادات بجالاتے ہیں اور عقیدہ وحدت الوجود (کہ ہر چیز میں اللہ ہے یا ہر چیز خود اللہ ہے) کے قائل ہیں۔ (ط

کو پختہ بنانے کی بدعت سامنے آئی، اسی طرح جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نئی نئی بدعتیں سامنے آتی گئیں اور اس کی شاخیں پھیلتی رہیں^(۱)۔

دوسرا مسئلہ: ظہور بدعت کی جگہ

بدعت کے ظہور کے معاملہ میں مختلف ممالک و شہر مختلف حالات سے گزرے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (وہ بڑے شہر جہاں صحابہ کرام نے سکونت اختیار کیا اور جہاں سے علم و ایمان کے چشمے پھوٹے پانچ ہیں، حرمین شریفین، عراقین (کوفہ و بصرہ) اور شام، انہی پانچ شہروں سے قرآن و حدیث، فقہ و عبادات اور ان کے علاوہ اسلام کے دیگر امور کی نشر و اشاعت ہوئی، مدینہ نبویہ کو چھوڑ کر انہی شہروں سے اصولی بدعتیں بھی نکلی ہیں۔ کوفہ سے تشیع و ارجاء کی بدعت نکلی اور وہاں سے دوسرے شہروں میں پھیلی، شہر بصرہ سے قدریہ، اعتزال اور فاسد طریقہ عبادت کی بدعتیں ظاہر ہوئیں اور وہاں سے دوسرے شہروں میں پھیلیں، شام سے ناصبیہ^(۲) و قدریہ کی بدعتیں نکلیں۔ جہمیہ کی بدعت خراسان سے نکلی جو سب سے بری بدعت ہے۔

^۱ مجموع الفتاوی (۱۰/۳۵۴)۔

^۲ ناصبی لوگ رافضیوں کی ضد ہیں یعنی جہاں رافضی اہل بیت کی شان میں غلو سے کام لیتے ہیں تو ناصبی ان کی شان میں تنقیص کے مرتکب ہیں۔ (ط

بدعت کا ظہور عموماً ان شہروں میں زیادہ ہوا جو مدینہ نبویہ سے زیادہ دور تھے۔ خاص طور پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حروریہ^(۱) فرقہ وجود وجود میں آیا تو بدعت کا بازار بہت گرم ہوا اور جہاں تک مدینہ نبویہ کی بات ہے تو یہ شہر ہمیشہ بدعت و خرافات سے پاک رہا، اگر کوئی اپنے اندر بدعت کو چھپا کر رکھتا بھی تھا جیسا کہ قدریہ وغیرہ کی ایک قوم وہاں موجود تھی تو وہ بھی وہاں ذلیل و مذموم ہی تصور کیا جاتا تھا اور مغلوب و ذلیل ہی بن کر رہتا تھا برخلاف کوفہ کے کہ جہاں تشیع وار جاء پھیلا اور بصرہ کے کہ جہاں اعتزال و بدعتیانہ عبادات خوب چمکی۔ شام میں ناصبہ کا دور دورہ رہا۔ سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: دجال مدینہ نبویہ میں داخل نہیں ہو سکتا، اسی کا اثر ہے کہ مدینہ نبویہ ہمیشہ اصحاب امام مالک کے دور تک (جو دوسری چوتھی صدی کے لوگ ہیں) علم و ایمان کا گہوارہ رہا^(۲)۔

ابتدائی تین صدیوں میں جو اسلام کے افضل ترین دور ہیں، مدینہ نبویہ میں کوئی ظاہری بدعت نہیں ہوئی اور نہ ہی اصول دین سے متعلق کوئی بدعت سامنے آئی جیسے دوسرے شہروں میں ہوا۔

^۱ یہ خوارج کو کہا جاتا تھا ان کے مکان ظہور کی بناء پر۔ (ط ع)
^۲ مجموعۃ الفتاویٰ (۲۰ / ۳۰۰ - ۳۰۳)۔

۲۔ ظہور بدعت کے اسباب:

اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب و سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے سے آدمی بدعات و خرافات اور ہر گمراہی سے محفوظ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ

بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

(اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ بھی ہے تو تم اس پر چلنا اور دوسرے راستوں

پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے)

اس بات کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث شریف میں کر

دی، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - خَطًّا فَقَالَ: هَذَا

سَبِيلُ اللَّهِ، ثُمَّ خَطَّ خَطوطًا عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ:

وَهَذِهِ سُبُلٌ، عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ، ثُمَّ تَلَا:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

عَنْ سَبِيلِهِ“، (۱)

(أحمد، الحاكم، ابن حبان)

(رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر راہ پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے، پھر یہ آیت کریمہ پڑھی:

(اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اس پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے)

لہذا جو بھی کتاب و سنت کی مضبوط رسی کو چھوڑے گا اسے گمراہ کن راستے مختلف بدعات و خرافات اپنی طرف کھینچیں گی۔

بدعت کے ظہور کے اسباب و عوامل حسب ذیل ہیں

دین کے احکام سے ناواقفیت، خواہشاتِ نفس کی پیروی، اشخاص و آراء کا تعصب اور کافروں کی نقل و تقلید۔ ان چیزوں کی ذرا تفصیل ملاحظہ ہو۔

(الف) احکام دین سے ناواقفیت:

جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہے لوگ رسالت کے آثار سے دور ہوتے جاتے ہیں، علم سمٹتا جاتا ہے اور جہالت پھیلتی جاتی ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے اس کی خبر دی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ يَعْشِ مِنْكُمْ فَسِيرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا“^(۱) (من حدیث

رواہ أبو داود و الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح.)

(تم میں سے جو زندہ رہے گا اسے بہت سارے اختلافات نظر آئیں گے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ ، وَلَكِنْ

يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ ؛ حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ

النَّاسَ رِعْوسًا جُهَالًا ، فَسَلُّوا فَأَفْتُوا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوا

وَأَضَلُّوا“^(۲)

^۱ الترمذی العلم (۲۶۷۶) ، أبو داود السنة (۴۶۰۷) ، ابن ماجہ المقدمة (۴۴) ، أحمد (۱۲۶/۴) ، الدارمی المقدمة (۹۵) .

^۲ البخاری العلم (۱۰۰) ، مسلم العلم (۲۶۷۳) ، الترمذی العلم (۲۶۵۲) ، ابن ماجہ المقدمة (۵۲) ، أحمد (۱۶۲/۲) ، الدارمی المقدمة (۲۳۹) .

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ۱/۱۸۰)

(بے شک اللہ تعالیٰ علم کو بندوں سے چھین کر نہیں اٹھاتا بلکہ علماء کو اٹھا لینے کے ذریعہ علم کو اٹھاتا ہے۔ لہذا جب کوئی عالم باقی نہیں رہتا تو لوگ جاہلوں کو اپنا بڑا بنا لیتے ہیں اور (ان سے مسائل) پوچھتے ہیں۔ چنانچہ وہ بغیر علم کے فتویٰ دیتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں)

اس سے ثابت ہوا کہ بدعت کا قلع قمع صرف علم و علماء ہی کر سکتے ہیں۔ لہذا جب علم و علماء کا فقدان ہوگا، بدعت کو پھلنے پھولنے کا موقع مل جائے گا اور بدعتیوں کا خوب دور دورہ ہوگا۔

(ب) خواہشاتِ نفس کی پیروی:

جو شخص بھی کتاب و سنت کی پیروی سے گریز کرے گا وہ ضرور اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ

مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ﴾ (القصص: ۵۰)

(پھر اگر یہ لوگ آپ (ﷺ) کی بات نہ مانیں تو جان لیجئے کہ وہ یقیناً اپنی
اہوا (خواہش نفس) کی پیروی کر رہے ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون
ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے)

اور فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ

سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاءً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ﴾

(الجاثية: ۲۳)

(بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا
ہے، اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس
کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر
پردہ ڈال دیا، اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ راست پر لا سکتا ہے؟)

اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی بدعت اور خواہشات نفس کی پیروی کا چولی

دامن کا ساتھ ہے۔

(ج) اشخاص و آراء کا تعصب:

تعصب حق کی معرفت اور انسان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا

عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (البقرة: ۱۷۰)

(اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل

فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں) (نہیں) بلکہ ہم تو اس چیز کی

پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا)

آج کل کے تصوف کے مختلف طریقوں کے متبعین اور قبر پرستوں کا یہی

حال ہے، یہ اپنے تعصب میں اندھے ہو جاتے ہیں، جب انہیں کتاب و سنت کی

دعوت دی جاتی ہے اور کتاب و سنت کے برخلاف اعمال سے ان کو روکا جاتا ہے تو

اپنے مشائخ کا حوالہ دیتے اور اپنے آباء و اجداد کے طریقہ کو بطور دلیل پیش کرتے

ہیں۔

(د) کفار کی تقلید:

غیر قوموں کی تقلید مسلمانوں کو سب سے زیادہ بدعات و خرافات کے گڑھے میں ڈالتی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو واقد اللیثی کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے۔ سیدنا اللیثی کا بیان ہے: ”خراجنا مع رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - إلى حنین ، ونحن حدثاء عهد بكفر ، وللبشر كین سِدْرَة یَعْكُفُونَ عَندَهَا وَیَنْطَوْنَ بِهَا أَسْلَحَتَهُمْ ، یَقَالُ لَهَا : ذَاتُ أَنْوَاطٍ ، فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةِ فَقُلْنَا : یَا رَسُولَ اللَّهِ ، اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتَ أَنْوَاطٍ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صلی اللہ علیہ وسلم - : اللَّهُ أَكْبَرُ ، إِنَّهَا السَّنَنُ ! قُلْتُمْ - وَالذی نفسی بیدہ - كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى ﴿ اجْعَلْ لَّنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴾ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ“ ^(۱) (الترمذی نے روایت کر کے صحیح فرمایا)

(ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، ہم نئے نئے اسلام لائے تھے، اس وقت مشرکوں کا ایک درخت تھا، جس کی وہ پرستش کرتے تھے اور (برکت کے لئے) اپنے ہتھیار اس میں لٹکائے رکھتے تھے۔ اسے "ذات انواط" (انواط والا پیڑ) بھی کہا جاتا تھا۔ ہم اس درخت کے پاس سے گزرے تو ہم

نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہمارے لئے بھی ایک ایسا "ذات انواط" بنادیتے، جیسا کہ مشرکوں کا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہی سنن (گزشتہ اقوام کے گمراہ طریقے) ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم نے ہم سے وہی بات کہہ دی جو بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: (جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادو، موسیٰ نے کہا تم تو بڑے ہی جاہل لوگ ہو) تم ضرور اپنے سے اگلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے)

اس حدیث میں صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ کفار کی تقلید ہی نے بنی اسرائیل کو اس گندے سوال پر ابھارا تھا کہ ان کے لئے بھی ایک صنم کا بندوبست کیا جائے تاکہ وہ اس کی عبادت کریں، اسی چیز نے بعض صحابہ کو رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کرنے پر مجبور کیا کہ ان کے لئے ایک درخت کا انتخاب کیا جائے جس سے وہ تبرک حاصل کریں، آج بھی مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت کافروں کی تقلید میں لگی ہوئی ہے، اور مشرکانہ اعمال اور بدعات و خرافات میں پڑی ہوئی ہے۔ بڑھے دھوم دھام سے برتھ ڈے اور میلاد منایا جاتا ہے، مخصوص اعمال کے لئے دن اور ہفتے منائے جاتے ہیں، مختلف دینی مناسبتوں اور یاد گار کے موقعوں پر جلسے جلوس منعقد کئے جاتے ہیں، مجسمے اور یاد گاری علامتیں

نصب کئے جاتے ہیں، مجلس ماتم منعقد کی جاتی ہے پھر جنازوں کی بدعت مستزاد ہے۔ قبروں کو پختہ بنانا اور قبروں پر تعمیر کرنا عام رواج پا گیا ہے۔

فصل سوم

بدعتیوں سے متعلق امت مسلمہ کا موقف اور ان کے رد کے سلسلے میں
اہل سنت والجماعت کا منہج

۱۔ بدعتیوں سے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقف:

اہل سنت والجماعت برابر بدعتیوں کا رد کرتے چلے آ رہے ہیں اور ان کی بدعات و خرافات کا شدت سے انکار کر رہے ہیں اور انہیں ان کی حرکتوں سے روک رہے ہیں جس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

(۱) ”عن أم الدرداء قالت: (دخل عليّ أبو الدرداء مُغَضَّبًا، فَقُلْتُ لَهُ: مَا لَكَ؟ فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا أَعْرِفُ فِيهِمْ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ مُحَمَّدٍ إِلَّا أَنَّهُمْ يَصْلُونَ جَبِيْعًا“
(رواه البخاری)

(سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بڑے غصہ کی حالت میں گھر میں داخل ہوئے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا، کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! آج مسلمانوں میں رسول اللہ ﷺ کے امر (سنت) کی کوئی چیز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ باجماعت نماز پڑھتے ہیں)

(ب) سیدنا عمر بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو اور انہوں نے اپنے والد کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ: (ہم ظہر کی نماز سے پہلے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے، جب وہ نکلتے تھے تو ان کے ساتھ مسجد کی طرف چل پڑتے تھے۔ ایک دن ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور پوچھا: کیا ابو عبد الرحمن (ابن مسعود کی کنیت) آچکے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں! وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ ابو عبد الرحمن نکل آئے، جب وہ نکلے تو ہم سب مل کر ان کی طرف بڑھے، تو انہوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن! ہم نے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں ایک نئی چیز دیکھی ہے۔ میرے خیال میں وہ الحمد للہ اچھی ہی ہوگی، انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اگر آپ زندہ رہو گے تو خود ہی دیکھ لو گے۔ انہوں نے کہا: میں نے مسجد میں ایک ایسی جماعت کو دیکھا جو حلقہ بنائے بیٹھی تھی اور نماز کا انتظار کر رہی تھی، ہر حلقہ میں ایک شخص نمایاں ہوتا ہے اور سب کے ہاتھ میں کنکریاں ہیں نمایاں شخص کہتا ہے

سومرتبہ تکبیر کہو، تو وہ لوگ سومرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا سومرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو، تو وہ سومرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے، پھر وہ کہتا ہے سومرتبہ سبحان اللہ پڑھو، تو وہ سومرتبہ سبحان اللہ پڑھتے۔ انہوں نے کہا: تم نے ان سے کیا کہا؟ جواب دیا: میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، مجھے اس بارے میں آپ کی رائے کا انتظار ہے یا آپ کے حکم کا انتظار ہے۔ انہوں نے کہا: آپ نے انہیں اس بات کا حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ اپنی غلطیوں کا شمار کریں اور ان کی نیکیوں کے بارے میں ضمانت دیتے کہ وہ ضائع نہیں ہوں گی؟

پھر وہ جانے لگے اور ہم بھی ان کے ساتھ ہو لئے، یہاں تک کہ ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہو کر کہا: یہ تم کیا کر رہے ہو جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن یہ کنکریاں ہیں جس کے ذریعہ ہم تکبیر و تہلیل، تسبیح و تحمید کا شمار کرتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: ”فعدوا سیئاتکم، فأنا ضامنٌ أن لا یضیعَ من حسناتکم شیءٌ، ویحکم یا أمة محمد، ما أسمع ہلکتکم، هؤلاء أصحابہ متوافرون، وهذه ثیابہ لم تبیل، و آیتہ لم تُکس، والذی نفسی بیدہ: إنکم لعلی ملۃ ہی أهدی من ملۃ محمد، أو مُفتتحو باب ضلالة. قالوا: واللہ یا أبا عبد الرحمن ما أردنا إلا الخیر، قال: وکم مرید للخیر لن یُصیبہ! إن رسول اللہ - صلی اللہ

علیہ وسلم - حدثنا أن قومًا يقرءون القرآن لا يجاوز تراقيهم ، وإيم الله لا أدرى لعل أكثرهم منكم . ثم تولى عنهم . فقال عمرو بن سلمة : رأينا عامة أولئك يطاعوننا يوم النهروان مع الخوارج^(۱) (دارمی) (اپنے گناہوں کو شمار کرو، میں تمہارا ضامن ہوں کہ تمہارے حسنات ضائع نہیں ہوں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اے امتِ محمدیہ (ﷺ)! کتنے جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے؟ آج صحابہ کرام کافی تعداد میں موجود ہیں، آج رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے، ان کے برتن ابھی اسی طرح صحیح سالم ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تمہارا طریقہ محمد ﷺ کے طریقہ سے زیادہ اچھا ہے (جو کہ ناممکن ہے) یا تم (فی الحقیقت) گمراہیوں کا دروازہ کھولنے والے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم اے ابو عبد الرحمن! ہماری نیت تو بھلائی و خیر کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا: کتنے ہی خیر کے طلبگار ہوتے ہیں لیکن وہ خیر تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن مجید تو پڑھتے ہوں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اللہ کی قسم! شاید ان میں سے اکثر تم ہی میں سے ہوں گے۔ پھر ان کے پاس سے ہٹ

^۱ الترمذی الفتن (۲۱۸۸)، ابن ماجہ المقدمة (۱۶۸)، أحمد (۴۰۴/۱)، الدارمی المقدمة (۲۰۴)۔

گئے۔ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے ان میں سے اکثر کو دیکھا کہ نہروان کے موقع پر خوارج کے ساتھ مل کر ہمیں لعن و طعن کر رہے تھے۔

ج۔ ایک مرتبہ ایک شخص امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا: کس جگہ سے احرام باندھوں؟ آپ نے کہا میقات سے۔ جہاں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اگر میں وہاں سے پہلے ہی احرام باندھ لوں تو، امام مالک نے کہا میرے خیال میں یہ صحیح نہیں۔ اس نے کہا اس میں نا پسندیدگی کی کیا بات ہے؟ امام مالک نے کہا کہ: (اصل میں میں تمہارے لئے فتنہ کو پسند نہیں کرتا، اس نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ خیر حاصل کرنے میں کونسا فتنہ ہے؟ امام مالک نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ۲۳)

(تو جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا

چاہیے کہ کہیں (ایسا نہ ہو کہ) وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر

تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو)

اس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ تمہارے لئے ایک ایسی فضیلت مخصوص

کی جائے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نا آشنا تھا۔

یہ ایک نمونہ ہے، ہمارے علمائے کرام برابر بدعتیوں کی حرکتوں پر نکیر کرتے آئے ہیں، اور آج بھی کر رہے ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک

۲۔ اہل بدعت کے رد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا منہج:

ان کا منہج و طریقہ کتاب و سنت پر مبنی ہے، یہ بہت ہی مدلل و مسکت طریقہ ہے، پہلے بدعتیوں کے شبہات کا تذکرہ کیا جاتا ہے پھر ان کے بے بنیاد دلائل کو کتاب و سنت کے دلائل کے ساتھ توڑا جاتا ہے، انہیں بتایا جاتا ہے کہ سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا فرض ہے اور شرک و بدعت اور دین میں نئی نئی چیزیں پیدا کرنا حرام ہے۔ اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ عقائد کی کتابوں میں شیعہ، خوارج، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ کا جواب دے دیا گیا ہے، جیسے کہ امام احمد نے جہمیہ کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے ان کے علاوہ دوسرے علمائے کرام نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ جیسے عثمان بن سعید الدارمی، امام ابن تیمیہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم، شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، ان لوگوں نے صوفیہ، قبر پرستوں اور دیگر گمراہ فرقوں کے جواب دیے ہیں، بدعت کے خلاف جو کتابیں لکھی گئیں ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بعض قدیم کتابوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

۲- کتاب اقتضاء الصراط المستقیم از شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، اس میں بدعتیوں کے رد پر بہت اچھی بحث کی گئی ہے، کتاب کا اچھا خاصا حصہ بدعتیوں کے رد پر ہی ہے۔

۳- کتاب انکار الحوادث والبدع از ابن وضاح رحمۃ اللہ علیہ

۴- کتاب الحوادث والبدع از امام طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ

۵- کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث از امام ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ

چند جدید کتابیں:

۱- کتاب الابداع فی مضار الابتداع از شیخ علی محفوظ

۲- کتاب السنن والابتدعات المتعلقة بالاذکار والصلوات از شیخ محمد

بن احمد الشقیری الحوامدی

۳- رسالة التحذیر من البدع از الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ آج بھی علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت بدعت کے قلع قمع اور بدعتیوں کو راہِ راست پر لانے میں لگی ہوئی ہے اور رسائل و جرائد، ریڈیو و ذرائع ابلاغ، خطبہ جمعہ، سیمیناروں اور کانفرنسوں کے ذریعہ اس میدان میں کام کر رہے

ہیں جس کا مسلمانوں کو بیدار کرنے، بدعت کے ازالہ اور بدعتیوں کو راہ راست پر لانے میں بڑا اثر ہے۔

فصل چہارم

آج کل کی کچھ نئی بدعتوں کے نمونے یہ ہیں

- ۱- میلاد شریف کے جشن و جلوس۔
- ۲- بعض آثار و مقامات و مردوں سے تبرک۔
- ۳- عبادات و تقرب کے باب میں بدعتیں۔

چند وجوہات کی بنا پر عصر حاضر میں بدعتیں بہت ہی زیادہ فروغ پائی ہیں۔ ان وجوہات میں سب سے بڑی وجہ جہالت ہے، پھر قرن اول سے اس زمانہ کی دوری، پھر بدعت اور سنت کی مخالفت کی طرف دعوت دینے والے داعیان کی کثرت، پھر غیر مسلم اقوام و ملل کے عادات و اطوار اور شعائر و روایات کی تقلید بھی اس کی ایک بڑی وجہ ہے، سچ فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے:

”لَتَتَّبِعَنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ“^(۱) (ترمذی نے اسے روایت کر کے صحیح فرمایا ہے)
(تم گزشتہ قوموں کے طریقوں کی اتباع ضرور کرو گے)

۱۔ جشن عید میلاد النبی (ﷺ) منانا:

جشن میلاد النبی (ﷺ) منانا سراسر عیسائیوں کی تقلید ہے اس لئے کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کی ولادت کا دن مناتے ہیں^(۲)۔ اسلام میں یہ چیز نہیں ہے لیکن اکثر جاہل مسلمان اور گمراہ کن علماء ہر سال ماہ ربیع الاول کو میلاد النبی (ﷺ) کے نام سے جشن و جلوس کرنے لگے ہیں۔ بعض لوگ تو اس طرح کے جلسے مسجد ہی میں منعقد کرتے ہیں اور بعض لوگ اپنے گھروں میں یا اس کام کے لئے مخصوص کی گئی جگہوں میں بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ہیں۔ جس میں بڑی تعداد میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور یہ سب کچھ نصاریٰ کی تقلید و نقل میں کرتے ہیں۔ نصاریٰ جس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی میلاد (کرسمس) مناتے ہیں ٹھیک اسی طرح مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کی میلاد مناتے ہیں اور میلاد کی ہر چیز میں

^۱ البخاری أحادیث الأنبياء (۳۲۶۹)، مسلم العلم (۲۶۶۹)، أحمد (۸۹/۳)۔

^۲ اس بات کا اقرار کے عید میلاد النبی اور کرسمس ایک ہی نوعیت کی عیدیں ہیں خود بریلویوں کے مشہور عالم دین ڈاکٹر طاہر القادری نے عیسائیوں کے ساتھ کرسمس کے موقع پر ایک تقریب میں کیا، جس کی ویڈیو سی ڈیز عام دستیاب ہیں۔ (ط ع)

ان کی تقلید کرتے ہیں جب کہ اس طرح کے جشن و جلوس میں بدعت و خرافات اور نصاریٰ کی تقلید ہونے کے علاوہ بھی ہزاروں طرح کے شرکیہ اعمال کئے جاتے ہیں اور منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ایسے نعتیہ کلام پیش کئے جاتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے حق میں غلو ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے بجائے آپ ﷺ ہی سے دعائیں مانگی جاتی ہے، اور استغاثہ کیا جاتا ہے، جبکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی مدح و تعریف میں غلو کرنے سے منع فرمایا ہے:

”لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ؛ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا

:عبد الله ورسوله“^(۱) (متفق علیہ)

(دیکھو میری تعریف میں غلو نہ کرنا، جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم

ﷺ کی تعریف میں غلو کیا ہے، بے شک میں بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا

بندہ اور اس کا رسول کہا کرو)

اور کبھی تو ایسی محافل میں مردوزن کا اختلاط، فسادِ اخلاق اور منشیات بھی

عام ہوتی ہیں۔

لفظ ”الإطراء“ جو حدیث میں آیا ہے اس کے معنی ہے: ”الْعُلُوفِي الْبَدْح“

(مدح و تعریف میں غلو کرنا)، میلاد النبی (ﷺ) کے جشن و جلوس میں عموماً

لوگ یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بذاتِ خود اس محفل میں تشریف لاتے ہیں^(۱)، اس کے علاوہ اس کی دوسری برائیاں یہ ہیں کہ ان میں لوگ اجتماعی طور پر نعت خوانی و اناشید (نظم خوانی) کرتے ہیں۔ طلبے وغیرہ بجائے جاتے ہیں اور صوفیوں بدعتیوں کے اذکار و اوراد پڑھے جاتے ہیں۔ اس میں مرد و زن کا اختلاط بھی ہوتا ہے، جس سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے، لوگوں کا فواحش میں پڑنے کا پورا خطرہ رہتا ہے، اگر یہ محفلیں ان تمام برائیوں سے پاک بھی ہوں تو بھی لوگوں کا اس بات کے لئے جمع ہونا اجتماعی طور پر کھانا پینا، خوشی و مسرت کا اظہار کرنا ایک بدعت ہے اور دین میں ایک نئی چیز ایجاد کرنا ہے، جب کہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: ”وکل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة“^(۲) (دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) اور آہستہ آہستہ اس طرح کے جلسوں میں منکرات اور برائیوں کا درآنا یقینی بات ہے جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔

^۱ حال ہی میں چکوال، پاکستان میں اہل بدعت خرافیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ عید میلاد پر آئے تھے اور اپنے نعلین مبارک کے پرنور نشان چھوڑ گئے! جس جھوٹ کا بھنڈا خود ان کے پڑسیوں نے کھول دیا تھا، حالانکہ جاہل بدعقیدہ لوگوں کی بڑی تعداد اسے سچ سمجھ کر اب بھی اس کی زیارت و تعظیم کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ (ط ع)

^۲ مسلم الجمعة (۸۶۷)، النسائي صلاة العیدین (۱۵۷۸)، ابن ماجہ المقدمة (۴۵)، أحمد (۳۷۱/۳)، الدارمی المقدمة (۲۰۶)۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ میلاد النبی (ﷺ) منانا ایک بدعت ہے، اس لئے کہ کتاب و سنت، سلف صالحین اور خیر القرون میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے اور شیعہ فاطمیوں نے اسے ایجاد کیا ہے امام ابو حفص تاج الدین الفاکہانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: (مبارکیوں کی ایک جماعت مجھ سے بار پوچھ رہی ہے کہ ماہ ربیع الاول میں جو میلاد النبی (ﷺ) مناتے ہیں کیا دین میں اس کی اصل ہے۔ چونکہ صاف طور پر مجھ سے یہ سوال کیا گیا ہے اس لئے صفائی کے ساتھ میرا جواب ہے کہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی ان علمائے کرام سے یہ منقول ہے جو متقدمین کے آثار کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور ہمارے لئے اسوہ ہیں، بلکہ میرے نزدیک یہ ایک بدعت ہے جسے کچھ بے کار اور کاہل قسم کے لوگوں نے ایجاد کر رکھا ہے اور کچھ کھانے پینے والے نفس پرستوں نے کھانے پینے کا ذریعہ بنا رکھا ہے) ^(۱)۔

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: (آج کل جس طرح لوگ میلاد النبی (ﷺ) مناتے ہیں یا تو نصاریٰ کی دیکھا دیکھی مناتے ہیں، اس لئے کہ نصاریٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے ہیں یا پھر رسول ﷺ کی محبت و تعظیم میں مناتے ہیں۔ جب کہ نبی کریم ﷺ کی تاریخ پیدائش میں

مؤرخوں اور سیرت نگاروں کے مابین اختلاف ہے، اس طرح کی میلاد ہمارے سلف صالحین نے کبھی نہیں منائی، اگر یہ خیر و بھلائی کی چیز ہوتی تو ہمارے اسلاف کرام ضرور ایسا کرتے۔ اس لئے کہ وہ ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرنے والے اور آپ (ﷺ) سے محبت کرنے والے تھے، وہ تو آپ (ﷺ) کے احکام کی پیروی اور ایک ایک سنت کو زندہ کرنے کے لئے مر مٹتے تھے، وہ ہم سے زیادہ نیکی کے حریص تھے، یہ اس لئے کہ آپ سے محبت و تعظیم کا ذریعہ وہ آپ کی پیروی و اتباع آپ کی سنتوں کے احیاء، دین اسلام کے فروغ اور دل و زبان اور ہاتھ سے جہاد کو ہی سمجھتے تھے، یہی طریقہ سابقین اولین، مہاجرین و انصار اور ان کے سچے متبعین کا تھا) اختصار سے نقل کیا گیا^(۱)۔

اس بدعت کی رد میں متعدد کتب و رسائل لکھے گئے ہیں۔ پہلے بھی اور موجودہ دور میں بھی اصل میں میلاد النبی (ﷺ) ایک بدعت ہونے کے علاوہ دوسرے اولیاء و صالحین کی یوم ولادت (برتھ ڈے / عرس) منانے کے راستہ کو کھول دیتی ہے، جس سے شر و فساد کے بہت سے مختلف دروازے کھل جاتے ہیں۔

^(۱) اقتضاء الصراط المستقیم (۲ / ۶۱۵) بتحقیق الدكتور ناصر العقل .

۲۔ بعض مقامات، آثار اور زندہ و مردہ اشخاص سے تبرک حاصل کرنا:

مخلوق سے برکت حاصل کرنا بھی ایک سنگین بدعت ہے جو آج کل بہت زوروں پر ہے، دراصل یہ بت پرستی کی ایک قسم ہے۔ یہ ایک ایسا جال ہے جس سے بہت سے مفاد پرست حضرات سیدھے سادے لوگوں کو پھانس کر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

لفظ تبرک کے معنی ہیں: "طلب البرکة" (برکت کا طلبگار ہونا) اور برکت کے معنی ہیں: "ثبوت الخیر فی الشیء و زیادتہ" (کسی چیز میں خیر و بھلائی میں اضافہ کی صلاحیت ہونا) خیر و بھلائی کی طلب یا اس میں اضافہ کی خواہش اسی ذات سے درست ہے جو اس کا مالک اور اس پر قادر ہو اور وہ سوائے اللہ سبحانہ کے کون ہو سکتا ہے۔ وہی ذات بابرکت ہے جو برکت نازل فرماتی ہے اور اس کو برقرار رکھتی ہے^(۱)۔ جہاں تک مخلوق کی بات ہے وہ برکت عطاء کرنے یا اس کو پیدا کرنے اور اس کو باقی و ثابت رکھنے پر قادر نہیں۔ لہذا مقامات، آثار اور زندہ و مردہ اشخاص سے برکت حاصل کرنا کسی حال میں جائز نہیں، کیونکہ وہ یا تو شرک ہوگا اگر کسی کا اعتقاد ہو کہ ان میں سے کوئی چیز از خود برکت عطاء کرتی ہے

^۱ جیسا کہ فرمایا: "تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (الملک: ۱) (بہت بابرکت ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔) (ط ع)

یا پھر وہ شرک کی جانب لے جانے کا ایک ذریعہ و وسیلہ ہوگا اگر کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ کسی کی زیارت سے یا کسی کو چھو لینے سے یا کسی کو ہاتھ لگا دینے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کا حصول ہوگا۔

صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک، آپ کے لعاب مبارک اور جسم اطہر سے الگ ہونے والے دیگر چیزوں سے جو برکت حاصل کرتے تھے تو یہ آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ ہی خاص ہے، کیونکہ آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے حجرہ مبارک، روضہ اطہر وغیرہ چیزوں سے کبھی بھی برکت حاصل نہیں کی، اور کبھی بھی کسی نے برکت و خیر کی نیت سے ان جگہوں کا قصد نہیں کیا جہاں آپ (ﷺ) نے نماز ادا کی تھی، یا آپ تشریف رکھتے تھے۔ لہذا اولیاء و بزرگوں کی جگہوں سے برکت حاصل کرنا تو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا، جب خود رسول اللہ ﷺ کی نشانوں و آثار سے برکت حاصل کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد نہ کسی صحابی نے برکت حاصل کی، کسی صحابی کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ اس نے غارِ حرا جا کر نماز پڑھی ہو یا دعاء مانگی ہو اور نہ ہی کوہ طور پر گئے ہوں جہاں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا تاکہ وہاں نماز ادا کریں اور نہ ہی ان کے علاوہ دیگر ان مقامات و پہاڑوں پر

گئے ہوں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انبیاء کے نشانات ہیں اور نہ ہی کسی نبی کی قبر پر بنے ہوئے مزار وغیرہ پر گئے ہوں۔

اسی طرح مسجد نبوی کی وہ جگہ جہاں آپ ﷺ ہمیشہ نماز ادا فرماتے تھے۔ اس کے متعلق ہمارے اسلاف میں سے کسی کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے اسے چھوا ہو، اس کو بوسہ دیا ہو اور مکہ مکرمہ میں جہاں آپ (ﷺ) نماز ادا فرماتے تھے وہاں کے بارے میں بھی ایسا کچھ کیا ہو۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جب اس جگہ کو جہاں آپ ﷺ کے مبارک قدم پڑے ہوں، جہاں آپ (ﷺ) نے نماز ادا کی ہو، شریعت نے اپنی امت کے لئے بابرکت نہیں قرار دیا کہ اسے چھوا جائے، اس سے برکت حاصل کی جائے، اس کا بوسہ دیا جائے، تو پھر کسی غیر کے سلسلہ میں کیسے کہا جاسکتا ہے فلاں نے یہاں نماز پڑھی تھی یا جناب نے یہاں قیلوہ فرمایا تھا وغیرہ، لہذا ان جگہوں کو بوسہ دینا باعثِ برکت ہے، تمام علمائے دین اور امت کے صالح افراد کو یہ بات ایک دینی اٹل حقیقت کے بطور معلوم ہے کہ اس طرح کا کوئی عمل آپ ﷺ کی شریعت میں سے نہیں ہے^(۱)۔

^۱ دیکھئے : اقتضاء الصراط المستقیم (۲ / ۷۹۵ - ۸۰۲) تحقیق الدكتور ناصر العقل .

۳۔ عبادات اور تقرب الی اللہ کی بابت بدعات:

عصرِ حاضر میں عبادات سے متعلق لوگوں نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ جبکہ عبادات تمام کے تمام توقیفی (وحی الہی کے تابع) ہیں اس میں حذف و اضافہ اور رد و بدلہ کے بارے میں غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں۔ کسی قوی دلیل کے ذریعہ ہی اس سلسلہ میں کچھ کہا جاسکتا ہے، بلادلیل کچھ کرنا ہی بدعت ہے، ارشادِ نبوی (ﷺ) ہے:

”من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد“ (مسلم)
(اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ عمل مردود ہے)

موجودہ غیر شرعی عبادتوں کی چند جھلکیاں

نیتِ نماز کو بلند آواز سے پڑھنا:

مثلاً یہ کہے: (میں فلاں فلاں نماز اللہ تعالیٰ کی خاطر پڑھنے کی نیت کرتا ہوں) وغیرہ۔ یہ ایک بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے یہ ثابت نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ أَتَعْلَمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يُعَلِّمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي

الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحجرات: ۱۶)

(ان سے کہو کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی تعلیم دے رہے ہو، سکھا رہے ہو!؟ اور اللہ تعالیٰ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے، اور اللہ ہر شئی کو جانتا ہے) (اس لئے زبان سے اسے اپنی نیت بتانے کی حاجت نہیں))

نیت کی جگہ دل ہے اور نیت کرنا سراسر قلبی عمل ہے، زبان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

نماز کے بعد اجتماعی ذکر:

ایک بدعت نماز کے بعد اجتماعی ذکر و اذکار ہے، جب کہ سنت یہ ہے کہ ہر شخص سنت سے ثابت شدہ اذکار انفرادی طور پر ادا کرے

فاتحہ خوانی:

فاتحہ خوانی بھی ایک بدعت ہے یعنی مختلف مواقع پر فاتحہ پڑھنے کی دعوت، خاص طور پر مردوں کے لئے اور دعاء کے بعد۔

ما تم اور مجالس عزاء:

اسی طرح محفلِ ماتم کا اہتمام، حلوا، کھچڑا، قاری لوگوں کو اجرت پر بلانا وغیرہ اور یہ سب کچھ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ کی تعزیت (عزاء داری) ہوتی ہے، یا اس سے مردہ کو فائدہ پہنچتا ہے، یہ سب وہ بدعتیں ہیں جن کی کوئی بنیاد شریعت و سنت میں نہیں اور (علماءِ سوء کے ایجاد کردہ) ایسے طوق اور بوجھ ہیں (جو لوگوں پر لادھ دئے گئے ہیں) جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

تاریخی ایام میں جشن و جلوس کا اہتمام:

شبِ معراج، ہجرتِ نبوی یاد و سرے تاریخی ایام میں کسی طرح کے جشن و جلوس کا اہتمام کرنا بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

ماہِ رجب کی بدعات:

اس میں وہ عمل بھی داخل ہے جو ماہِ رجب میں کیا جاتا ہے، مثلاً رجب میں نفل نماز اور نفل روزہ کا خاص اہتمام کرنا (رجب کے کونڈے) وغیرہ، کیونکہ ماہِ رجب کی دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں کوئی خاص فضیلت وارد نہیں ہوئی ہے، نہ عمرہ کے اعتبار سے اور نہ ہی نماز، روزہ اور نذر و قربانی کے اعتبار سے اور نہ ہی کسی اور مناسبت سے۔

نصف شعبان کی رات کو نماز اور دن کو روزہ کے لئے مخصوص کرنا:

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے (اور اسی طرح سے شعبان کا حلوہ وغیرہ)۔

صوفیہ کے ذکر و اذکار:

ان کی تمام قسمیں سب کی سب بدعت و خود ساختہ اذکار ہیں کیونکہ یہ شریعت کے ذکر و اذکار اس کے طریقہ، ہیئت و اوقات کے مخالف ہیں۔

قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر مزار و مساجد کی تعمیر:

اسی طرح قبروں کو پختہ بنانا، ان پر تعمیر کرنا، انہیں مسجد بنالینا، ان سے برکت کے لئے ان کی زیارت کرنا، مردوں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا، ان کے علاوہ دیگر شرکیہ اعمال، عورتوں کا قبرستان جانا وغیرہ، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں، قبروں کو مسجد بنانے اور ان پر چراغاں کرنے والوں سب پر لعنت فرمائی ہے۔

خاتمہ

اخیر میں ہم یہی کہیں گے کہ بدعت کفر کی پیغام رساں ہے (اس کی طرف لے جانے کا ایک ذریعہ ہے)۔ یہ دین میں وہ اضافہ ہے جسے نہ اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ نے۔ بدعت گناہِ کبیرہ سے بھی بدتر ہے اور بدعت سے شیطان اتنا خوش ہوتا ہے جتنا کہ گناہِ کبیرہ سے خوش نہیں ہوتا، کیونکہ گنہگار گناہ کے ارتکاب کے بعد کبھی نہ کبھی توبہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ اسے بہر حال گناہ تو تصور کرتا ہے، جبکہ ایک بدعتی بدعت کا مرتکب ہوتے وقت سمجھتا ہے کہ یہ دین میں سے ہے، پھر اس سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا اسے توبہ کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بدعت کے احياء سے سنت مٹتی ہے اور بدعتی کے نزدیک سنت اور اہل سنت ناپسندیدہ چیز بن جاتے ہیں۔

بدعت بندہ کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے، اس کے غضب کو دعوت دیتی ہے، دل میں فساد و زلیغ و ضلال کا باعث بنتی ہے۔

بدعتیوں سے ہمارا کیا سلوک ہو؟

بدعتی سے راہ و رسم پیدا کرنا، اس سے گھل مل کر رہنا حرام ہے۔ صرف انہیں راہِ راست پر لانے اور نصیحت اور بدعت کا انکار کرنے کے لئے ایسا کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان سے گھل مل کر رہنے سے برا اثر پڑتا ہے، بدعت کی متعدی بیماری دوسروں تک پہنچ جاتی ہے۔ لہذا ان سے خود بھی بچنا چاہیے اور لوگوں کو بھی ان سے اور ان کی برائیوں سے خبردار کرنا چاہیے۔ ایسا اس وقت کیا جائے گا جب ان پر گرفت و پکڑ کی طاقت نہ ہو، ورنہ ان کی گرفت پر قدرت و طاقت کی شکل میں علمائے اسلام و امراءِ حکومت پر واجب ہے کہ بدعت کو پھلنے پھولنے سے سختی کے ساتھ روکیں، بدعتیوں پر پابندی لگادیں، ان کو برائی سے باز رکھیں، اس لئے کہ اسلام کے لئے وہ زبردست خطرہ ہیں، اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ کافر حکومتیں اپنے یہاں بدعتیوں کی بڑی ہمت افزائی کرتی ہیں۔ بدعت کو پھلنے پھولنے کا پورا موقع دیتی ہیں۔ مختلف طریقوں سے ان کی مدد کرتی ہیں، کیونکہ اس سے اسلام کا خاتمہ ہوتا ہے اور اس کی صورت بگڑتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعاء ہیں کہ وہ اپنے دین کی مدد فرمائے اپنے کلمہ کو بلند فرمائے اپنے دشمنوں کو ذلیل فرمائے اور درود و سلام ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل و اولاد اور صحابہ کرام پر۔